خطباتِ مدراس

سید سلیمان ندوی

★

لاہور اکیڈمی ۔ لاہور

خطبات مدراس

خطبات مدراس

سید سلیمان، ندوی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ۔ لاہور

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور کے
فرزند رشید پروفیسر سید سلمان ایم اے کی
اجازت سے!

قیمت .... تین روپے
ناشر .... ایس - ایم - خاں - چودھری
مطبع .... منصور پریس - لاہور

خطباتِ مدراس

یعنی

سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر وہ آٹھ خطبے

جنکو

سید سلیمان ندوی

نے

اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں مدراس کے انگریزی مدرسوں کے طالب علموں اور عام مسلمانوں کے سامنے لالی ہال (مدراس) میں ہفتہ وار دیا

عرض ناشر

علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی، مذہبی، تاریخی، سوانحی، ادبی دینی کتابیں تعریف و تعارف سے بے نیاز ہیں، وہ علامہ شبلی کے شاگرد رشید اور جانشین تھے، لیکن اپنی علمی منزلت میں وہ استاد سے بڑھ گیے تھے، یوں تو حضرت سید صاحب مرحوم و مغفور نے سیرۃ النبیؐ سے لے کر سیرت عائشہ رضؓ تک بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ہر کتاب تحقیق و تدقیق کا شاہکار ہے، لیکن ان کتابوں میں خطباتِ مدراس کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ بالکل یگانہ اور منفرد ہے، سید صاحب اگر کچھ نہ لکھتے صرف یہی لکھتے تو بھی ان کا علمی اور تحقیقی پایہ اتنا ہی ارفع ہوتا جتنا اتنی کتابیں لکھنے کے بعد ہوا ہے۔

خطبات مدراس اپنی جامعیت، افادیت اور تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ ایسی کتاب عربی زبان میں بھی کوئی نہیں مل سکتی یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر اردو خواں اسے پڑھے اور بار بار پڑھے، یہ کتاب اس قابل ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ رسولؐ کی عظمت اور اسلام کی حقیقت ان

لوگوں کے ذہن نشین ہو سکے، جو مختصر وقت میں سیرۃ نبی اکرمؐ سے واقف ہونا چاہتے ہیں،
میں حضرت سید صاحب کے خلف الرشید جناب محمد سلمان صاحب
ایم - اے کا ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ کتاب شائع کرنے کی مجھے
اجازت مرحمت فرمائی -

سردار محمود
پروپرائٹر لاہور اکیڈمی - لاہور

فہرستِ خطبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

خدا کا شکر ہے کہ ان خطبات کو جو سرسری طور پر لکھے گیے تھے حد سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں وہ یکساں ذوق و شوق کے ہاتھوں سے لیے گیے اور عقیدت کی آنکھوں سے پڑھے گیے، مدرسوں میں، اسکولوں میں، مجلسوں میں ہر جگہ وہ پڑھے جاتے ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یہ جو کچھ ہے وہ خداوند تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

اس کتاب کے بعض بعض خطبوں میں سیرۃ محمدیؐ کا دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے مقابلہ و موازنہ ہے، گو وہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے اصول سے صحیح بھی ہوں تاہم ان موقعوں پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ وہ غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر ہیں اور وہ ان انبیاء کی اُن سیرتوں کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے، جو اُن کے ماننے والے مانتے اور اُن کی طرف منسوب آسمانی صحیفوں میں مذکور ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر

نبی اسلام کی نگاہ میں کامل و بے عیب اور معصوم تھا اور ان میں سے ہر ایک کی اصلی میرتیں حسبِ استعداد و اختلافِ زمانہ باہم گو کسی قدر مختلف ہوں، تاہم وہ ہر اعتراض سے بری اور ہر خردہ گیری سے بالاتر ہیں۔

یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں میری غیر حاضری میں جب میں حجاز میں تھا میرے کٹے پھٹے مسودہ سے چھپے تھے، دوسری دفعہ بھی یہی ہوا؛ اب اس تیسرے اڈیشن میں موقع ملا کہ اس پر نظرِ ثانی کی جا سکے، اس پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایک عاجز انسان کی ہر جنبشِ قلم ہر اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہو سکتی ہے، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا،

خاکسار

سید سلیمان ندوی،

۲۷ شعبان ۱۳۵۵ھ

۱۴ نومبر ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

آئندہ صفحات میں سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات (لکچر) ہیں، جو جنوبی ہند کی "اسلامی تعلیمی انجمن" کی فرمائش سے اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں دئے گیے تھے، مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند عالمانہ خطبے دیتا ہے، یہ خطبے سال بسال ہوتے ہیں، اور نہایت دلچسپی سے سنے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر مدراس کے چند مخلص تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدارس کے مسلمان طالب علموں کے لیے بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی قسم کی کوشش کی جائے، یعنی سال بسال کسی مسلمان فاضل کے خدمات حاصل کیے جائیں جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر طلبائے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے مطابق خطبات دے سکے۔

خوش قسمتی سے اس کام کے مالی پہلو کی کفالت کے لیے مدراس میں ایک ایسی ہستی مل گئی جس نے ہر طرح اس کی ضمانت لی، یہ سیٹھ ایم جمال محمد صاحب

کی ذات تھی جن کی فیاضی سے مدراس کی متعدد تعلیمی درسگاہیں سیراب ہو رہی ہیں، امید ہے کہ موصوف کا اسلامی درد اس سلسلہ کو تادیر قائم رکھنے کی تدبیریں آئندہ بھی مصروف رہے گا، اور "خطباتِ اسلامیۂ مدراس" کا یہ سلسلہ یورپ کے مشہور خطبات کے سلسلوں کی طرح بہت مفید اور شہرت پذیر ہوگا،

یہ میری سعادت ہے کہ اس اہم اور مقدس کام کے لیے سب سے پہلے میری حقیر ذات کا انتخاب عمل میں آیا، اور اس طرح مجھے موقع ملا کہ میں اس عظیم الشان سلسلہ کی پہلی کڑی بن سکوں، یہ خطبے مدراس کے لالی ہال میں مغرب کے بعد ہر ہفتہ اور بعض ہفتہ میں دو دفعہ دئے گیے، اور اس طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۵ء کے اخیر ہفتہ میں ختم ہوئے، سیٹھ حمید حسن صاحب ناظمِ مجلس کا شکرگذار ہوں کہ ان خطبات کے لیے ہر قسم کا اہتمام اعلان اور ان کے انگریزی ترجمہ کا کام انھوں نے انجام دیا، مدراس کی مسلمان پبلک کا ممنون ہوں کہ اس خشک بیان کو جو کبھی دو دو اور تین تین گھنٹے تک جاری رہا، انھوں نے صبر و تحمل سے سنا، اور اس کی قدر کی، غیر مسلم اصحاب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے باوجود اردو آسانی سے نہ سمجھ سکنے کے حقیقت کی جستجو کے لیے ان جلسوں میں شرکت کی،

مدراس کے اردو اور انگریزی اخبارات کا بھی شکرگذار ہوں، جنھوں نے ہر ہفتہ ان خطبوں کا خلاصہ اپنے کالموں میں شائع کیا، اخبار ہندو اور ڈیلی اکسپرس مدراس خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں، جنھوں نے فیاضی کے ساتھ اپنے کالم ان خطبوں کی انگریزی تلخیص کی اشاعت کے لیے وقف کیے۔

آخر میں ان خطبات کو اوراق کی شکل میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے درگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوں کہ وہ اس عقیدت کے نذرانہ کو قبول فرمائے، اور اخلاص

توفیق کی نعمت سے ان کے محرر کو مالا مال کرے،

اُمیدوارِ رحمت

سید سلیمان ندوی،

دیسنہ، بہار

دسمبر ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات! آج پندرہ برس کے بعد مجھے موقع ملا ہے کہ میں آپ کی تعلیمی انجمن "مسلم ایجوکیشنل ایسوسی آف سدرن انڈیا" کی طلب پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اور یہاں آکر آپ کے سامنے سیرتِ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر خطبے دوں، یہ آٹھ خطبے ہوں گے، جو مختلف آٹھ صحبتوں میں آپ کے سامنے پیش ہوں گے ان کی ترتیب یہ ہوگی۔

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔
۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے۔
۳۔ سیرۃِ نبویؐ کا تاریخی پہلو،
۴۔ سیرۃِ نبویؐ کی کاملیت،
۵۔ سیرۃِ نبویؐ کی جامعیت،
۶۔ سیرۃِ نبویؐ کی عملیت،
۷۔ اسلام کے پیغمبر کا پیغام،
۸۔ ایمان اور عمل،

مدراس نے اپنے نوجوان فرزندوں کو ایک "سلسلۂ خطباتِ اسلامیہ" کے ذریعہ

مذہب سے واقف کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ یقیناً ہندوستان کے صوبوں میں ہماری اسلامی تعلیمی انجمنوں کا اس راہ میں پہلا قدم ہے، مدراس کی سرزمین پورے ہندوستان میں سب سے پہلا صوبہ ہے، جہاں اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے آکر چمکیں، اور یہ اس وقت ہوا جب ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی اسلام کے کسی سپاہی کا قدم نہیں پڑا تھا، معجزۂ شق القمر کے چاند کی روشنی تھی، جو بحرِ عرب سے گذر کر بحرِ ہند کے اس ساحل تک پہنچی، اور دلوں کو روشن کرگئی، تحفۃ المجاہدین کی یہ روایت اگر صحیح ہے جس کی تائید ہمارے ایک نومسلم دوست ڈاکٹر غلام محمدؐ کے بیان سے ہوتی ہے، کہ انھوں نے خود مدراس میں آکر ہندوؤں کی ایک قلمی سنسکرت کتاب میں بھی اس واقعہ کو بعینہٖ درج پایا ہے، اور جس کو انھوں نے چھپوا بھی دیا ہے، تو ہمیں اس حالت میں مدراس کی ایک اسلامی تعلیمی انجمن کی اس قابلِ رشک سبقت پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ مدراس کو اسلام کی خدمات میں پہل کرنے کا تاریخی حق آج سے نہیں، بلکہ تیرہ سو برس پہلے سے پہنچتا ہے، اُمید ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اسلامی تعلیمی انجمنیں اس کی تقلید کریں گی،

حضرات! میں اس وقت آپ کے سامنے اُردو میں تقریر کر رہا ہوں، گو اُردو زبان نے ہندوستان میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لیے مناسب یہ تھا کہ یہ لکچر انگریزی میں ہوتے، تاکہ ان کے فائدہ کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا، اور وہ بھی اس میں شریک ہوسکتے اور دلچسپی لے سکتے جو اُردو بالکل نہیں سمجھتے، یا پوری طرح نہیں سمجھتے، اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہوگیا ہے، خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کا پیغام خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں۔

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہ السلام

کی

سیرتوں سے ہو سکتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگا رنگ عجائبات سے معمور ہے۔ قسم قسم کی مخلوقات ہیں ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں، جمادات سے لیکر انسان تک اگر نظر ڈالنے تو معلوم ہوگا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس، ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا پتھر وغیرہ کے احساس، ادراک اور ارادہ سے خالی ہے، جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا امکان نشان ملتا ہے۔ نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشو ونما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے۔ انسان میں احساس، ادراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہی احساس، ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصلی سبب ہے۔ مخلوق کی جس صفت میں جس حد تک یہ چیزیں کم ہیں، اسی

حد تک وہ ارادی فرائض کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے
فرائض سے محروم ہیں، نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔
حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں۔ انسانوں کو دیکھئے تو وہ فرائض کی
پابندیوں سے سراسر جکڑا ہوا ہے۔ پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالیے تو مجنوں،
پاگل، بیوقوف، بچے، ایک طرف، اور عاقل، بالغ، دانا، ہشیار، عالم دوسری طرف
اسی احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی و بیشی کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض کچھ نہیں
رکھتے، یا کم رکھتے ہیں، یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے۔ کہ جس مخلوق میں احساس، ادراک
اور ارادہ کی جتنی کمی ہے اتنی ہی فطرت اور قدرت الٰہی اس کی پرورش
اور نشو و نما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھائے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات
آنکھیں کھولتی جاتی ہے، فطرت اس بار کو اس کے احساس و ادراک و ارادہ
کے مطابق ہر صنف مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے، پہاڑوں کے لعل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟
سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض
کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سردی کی دیکھ بھال کون کرتا
ہے؟ یہاں تک کہ سرد یا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی
جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوع حیوان ہونے کے
آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں
گے، یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں جو موسم اور
آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے۔ اس کا
سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے اور اسی لئے مختلف آب و ہوا اور
موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پنجہ، بال، ہڈیں، کھال کے رنگ اور اور چیزوں میں تفاوت

اختلافات پائے جاتے ہیں،

یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور شکلیں تھیں۔ جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں جس حد تک احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی ہے۔ فطرت اور قدرت خود اس کمی کی کفالت کرلیتی ہے، اور جیسے جیسے مخلوقاتِ الٰہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہے۔ فطرت منافع کی صورتیں خود ان کے قویٰ کے سپرد کرکے علیحدہ ہوتی جاتی ہے، انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ کاشتکاری اور درختوں کے لگانے اور میووں کے پیدا کرنے کی محنت اٹھاتا ہے، سردی گرمی سے بچنے کے لئے اس کو فطری کھال، روئیں اور اون نہیں دیئے گئے۔ اس کا سامان مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے، بیماریوں اور زخموں کو دور کرنے کے لئے اس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے،

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضعف ہے۔ دشمنوں سے بچاؤ، اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمہ لیا ہے، مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کے لئے مختلف ذریعے دیئے گئے ہیں، کسی کو تیز پنجے کسی کو نکیلے دانت، کسی کو سینگ، کسی کو اڑنا۔ کسی کو تیز دوڑنے کی قوت۔ کسی کو ڈنک۔ کسی کو دانتوں کا زہر غرض مختلف آلات واسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کردیا ہے۔ مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں کے نکیلے دانت اور پنجے، نہ بیلوں کے سینگ، نہ کتوں اور سانپوں کا زہر، نہ بچھوؤں اور بھڑوں کے ڈنک، غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح نہتا اور غیر مسلح بنایا گیا ہے۔ مگر ان سب کی جگہ اسکو احساس، ادراک تعقل

اور ارادہ کی زبردست قوتیں دی گئی ہیں، اور یہی معنوی قوتیں، اس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں کی تلافی کرتی ہیں۔ وہ اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے، تیز پنجے اور بڑے جبڑے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے، خوفناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا ہے، ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ پانی کے جانوروں کو پھانس لیتا ہے۔ اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار، اسلحہ اور سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو، تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب، تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں؛ اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی نام تکلیف ہے، یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قویٰ کے مطابق تم پر عائد ہے، اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)	خدا کسی نفس کو "تکلیف" نہیں دیتا۔ لیکن اس کی وسعت کے مطابق۔

یہی "تکلیف" کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ امانت کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے، یہ امانت کا بار جمادات، نباتات، حیوانات، بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن ان میں سے کوئی اسکو اٹھا نہ سکا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا،	ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا، تو انہوں نے (فطری عدم صلاحیت کی بنا پر بزبان حال) اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے، پھر انسان نے اسکو

اٹھالیا، بے شک وہ ظالم اور نادان تھا۔ (احزاب - ۹)

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

"ظالم" و "نادان" "دیوانۂ عشق" کی دوسری تعبیر ہے "ظالم" یعنی اپنی حد سے آگے بڑھ جانے والا، یہ صفت انسانی کی عملی قوت کی بے اعتدالی کا اور "جاہل و نادان" ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے "ظلوم" کا مقابل "عادل" اور "جہول" کا مقابل "عالم" ہے، "عادل" اور "علم" جو بالفعل انسان کو حاصل نہیں، ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کی عملی قوت میں عدل یعنی میانہ روی اور اعتدال، اور ذہنی قوت میں "علم" اور معرفت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام "عمل صالح" اور علم کا دوسرا نام "ایمان" ہے

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (العصر)

زمانہ کی قسم، بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

یہ نقصان اور گھاٹا وہی ظلم عملی اور جہل علمی ہے، اور اس کا علاج "ایمان" یعنی علم صحیح اور "عدل" یعنی عمل صالح ہے، اس واقعہ کی شہادت میں کہ انسانیت اُس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے۔ جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے، اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے، زمانہ سے مقصود وہ واقعات حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق "تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانحعمریوں کے سلسلہ کا نام ہے۔ زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھاٹے اور ٹوٹے میں

رہے ہیں، اور برباد و ھلاک ہوئے ہیں۔ جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے،

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں، تمام اخلاقی قصے، اور انسانوں کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکائتیں، ظلم و جہل اور ایمان و عمل صالح کی دو زندگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی، دوسری طرف عدل، عملِ صالح، خیر اور نور کی حکائتیں داستانیں اور تاریخیں ہیں۔ اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا، ان کی تعریف، اور جنہوں نے ان سے انکار کیا ان کی برائی کے بیانات ہیں، یونانی الیڈ، رومی پیرالِ لاسوز، ایرانی شاہنامہ۔ ہندی مہابھارت اور رامائن اور گیتا کیا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے بڑے اشخاص، اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم و جہل، ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں۔ تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر کے برے نتیجوں سے بچ کر، عدل، خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اُٹھائے۔

توراۃ، انجیل، زبور، اور قرآن پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں؟ ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظیریں۔ تاکہ ان کو سن کر ظالم عادل بنیں۔ شریر نیک ہوں، اور کافر مومن بن جائیں۔ اسی لئے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں، اور ہر ملک میں خدا کے پیغمبر اور فرستادے آئے کہ وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کریں، تاکہ ان کی پوری قوم یا اس کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں، اور آخر میں آنحضرت صلعم کو رحمتِ عالم بناکر بھیجا گیا، تاکہ وہ تمام عالم

کے لئے دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں، آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ (یونس)

تو (اے قریشیو) میں اس (دعوائے نبوت) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر رہا ہوں۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الٰہی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانحعمری اور سیرت کو اس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہرحال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں، جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں، ایک طرف شاہان عالم کے باشان وشکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں۔ ایک طرف حکماء اور فلاسفروں کا متین گروہ ہے، ایک طرف فاتحین عالم کی پرجلال صفیں ہیں، ایک طرف شعراء کی بزم رنگین ہے، ایک طرف دولتمندوں اور خزانوں کے مالکوں کی زرّم گدّیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ہیں، ان میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے کار تھیج کا ہینیبال۔ مقدونیہ کا سکندر، روم کا سیزر، ایران کا دارا یورپ کا نپولین۔ ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے، سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکماء اور فلاسفروں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے، نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں، قارون کی ایک الگ زندگی ہے، غرض دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں

قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں۔ جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لئے سامنے ہیں، لیکن بتاؤ کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نوعِ انسان کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی ضامن اور کفیل اور ان کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبقے الٹ دیئے ہیں، لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا؟ کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی اوہام و خیالاتِ فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟ ہماری روحانی بیماریوں اور نا امیدیوں کا کوئی علاج بتا سکی؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں، لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے، اسی لئے افلاطون کے مشہور نظامِ حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی، ہومر سے لیکر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوا نسلِ انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے، کیونکہ ان کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآن پاک نے کہا۔

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ

اور شاعران کی پیروی بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۙ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (شعراء ع - ۱۱)

رہتے ہیں، اور وہ جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے۔

قرآن پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر ہونے کا فلسفہ بھی بتا دیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، اور ایمان و عمل صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس دولت سے مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہو گا۔ تاہم وہ اصلاح و ہدایت کے عظیم الشان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے۔ دنیا کی تاریخ خود اس واقعہ پر گواہ ہے؛

حکماء اور فلاسفر جنہوں نے بار ہا اپنی عقل رسا سے نظام عالم کے نقشے بدل دیئے ہیں، جنہوں نے عجائبات عالم کی طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریئے پیش کئے ہیں۔

وہ بھی انسانیت کے نظام ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے، اور نہ فرائض انسانی کی طلسم کشائی میں کوئی عملی امداد دے سکے، کہ ان کی دقیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے بھی حسن عمل کا کوئی نمونہ نہ تھا۔ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی۔ ہر یونیورسٹی میں اس کے ایتھکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں، اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر یا سنکر نوع انسانی کے کتنے افراد راہ راست پر آئے آج دنیا کی ہر یونیورسٹی میں ایتھکس کے بڑے بڑے لائق پروفیسر اور استاذ موجود ہیں مگر انکے علم اخلاق کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرۂ اثر ان درسگاہوں کی چہار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ یا بڑھ سکتا ہے؟ اس لئے کہ جب ان کمروں سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں

تو ان کی عملی زندگی، عام افرادِ انسانی سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی، اور انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے،

دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے کبھی کبھی چار دانگِ عالم پر حکومت کی ہے، قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ہیں۔ ایک ملک کو اُجاڑا، اور دوسرے کو بسایا ہے، ایک قوم کو گھٹایا اور دوسری کو بڑھایا ہے، ایک سے چھینا اور دوسرے کو دیا ہے مگر ان کا عام نقشہ وہی رہا جس کو قرآن پاک نے ایک آیت میں ملکہ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً۔ (سبا - ع ۳)

بے شک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں، تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا۔ لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی، انہوں نے بازاروں اور راستوں میں امن و امان قائم کیا، لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن و امان قائم نہ کر سکے، انہوں نے ملک کا نظم و نسق درست کیا۔ لیکن روحوں کی مملکت کا نظم و نسق ان سے درست نہ ہو سکا، بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہی کے درباروں سے نکل کر ہر جگہ پھیلتی رہی، کیا سکندر اور سیزر جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ہمارے لئے کچھ چھوڑ گئے؟

بڑے بڑے قوم ساز سولن سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقائے دوام نہ پائی۔ اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی

کارانہ نہ ملا۔ دوسرے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرف غلط سمجھ کر مٹا دیا، اور اپنی مرضی اور مصلحتوں کے مطابق، نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنا لیا، اور آج بھی یہی حالت قائم ہے۔ آج اس مہذب دورِ حکومت میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلسیں بنائی گئی ہیں۔ جو پہلے ہر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں، بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بانی، یا یہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدھار کی توقعات ہو سکتی ہیں۔ ہر ایک کا جائزہ لے لیا۔ غور سے دیکھو! اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی، اور اچھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اُجالا ہے۔ کیا وہ صرف انہی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے، جن کو تم انبیائے کرامؑ کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے جھنڈ، شہروں کی آبادیاں۔ غرض جہاں بھی رحم، انصاف، غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش، اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق۔

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (ملائکہ)	کوئی قوم نہیں جس میں (کوئی انسانوں کا) ہشیار کرنے والا نہ گذرا ہو۔
وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)	اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

آج ہر قوم اور ہر ملک میں انہی کی برکتوں کا اُجالا نظر آتا ہے، اور ہر طرف انہی کی پکاروں کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔ افریقہ کے وحشی ہوں یا یورپ کے

مہذب، سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں سے ہوتی ہے، اور ہو رہی ہے، اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبہ انسانی طبقوں کے نام آئے ہیں، ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقہ ہے جو بادشاہوں کی طرح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے، اس کی حکمرانی کی زمین، دنیا کی مملکت نہیں۔ بلکہ دلوں کی مملکت ہے، جو گو سپہ سالاروں کی طرح تیغ بکف نہیں، تاہم وہ گناہوں کے پرے، اور آلودگیوں کی صفیں دم کے دم میں الٹ دیتا ہے۔ وہ گو خیالی شاعر نہیں، لیکن اس کی شیریں بیانیوں کے ذائقہ سے اب تک انسانوں کے کام و دہن لطف اٹھا رہے ہیں۔ وہ گو ظاہری طور پر قانون ساز اور مجلسوں کے سینٹر نہ تھے۔ لیکن صدہا اور ہزارہا سال گذر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے، جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکمراں ہے اور بلا تفریق شاہ و گدا، اور بادشاہ و رعایا سب پر یکساں جاری ہے،

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں، بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے۔ کہ آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں پر کندہ ہیں مگر بودھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے۔ اجین۔ ہستناپور (دہلی) اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں۔ لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک نافذ اور جاری ہے۔ بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کے قانونی دفعات مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے۔ فرعون کی ندائے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کے دن قائم رہی؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے، سولن کے بنائے ہوئے قانون کے دن چل سکے؟ مگر توراۃ کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل

کی ترازو ہے۔ وہ رومن لاجس نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا۔ صدیاں گذریں کہ معدوم ہو چکا۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم و ہدایت آج گنہگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ مکہ کے ابوجہل۔ ایران کے کسریٰ، اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں۔ مگر شہنشاہ مدینہ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مستحکم ہے۔

دوستو! میرے گذشتہ بیانات نے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا کوئی اثر پیدا کیا ہے، تو صرف اپنے عقیدہ سے نہیں، بلکہ عقلی استدلال، اور دنیا کی عملی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہوگا۔ کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی۔ اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی، اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے، جو خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے، اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، جاہل و عالم سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ

اور ہم نے ابراھیمؑ کو اس کی قوم پر (اپنی حجت پیش کرنے کے لئے) یہ دلیل عنایت کی، ہم جسکو چاہتے ہیں بدرجہا بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُن (ابراھیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے

قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ
سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا
فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ؕ وَمِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ج
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ
وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ
بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا
بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (انعام ۱۰)

ہر ایک کو (ان میں سے) ہدایت بخشی اور ہم
نے (ابراہیم سے پہلے نوح کو ہدایت دی
اور ان (ابراہیم) کی نسل سے داؤد اور
سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور
ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم نیکوکاروں کو
ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور زکریا اور یحییٰ
اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی) ہر
ایک (ان میں کا) صالح لوگوں میں تھا، اور
اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو
(ہدایت دی) اور ان میں سے ہر ایک کو دنیا
(میں اس کے زمانے کے لوگوں) پر فضیلت
بخشی، اور ان کے بزرگوں اور انکی اولادوں
اور ان کے بھائیوں میں سے، اور ان کو چنا
اور ان کو سیدھے راستہ کیطرف ہدایت کی، یہی
خدا کی ہدایت ہے، اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے،
اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سارے کام برباد
ہو جاتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب،
قوت فیصلہ اور پیغمبری عنایت کی، تو اگر یہ
لوگ (جو ان کے نام لیوا آج موجود ہیں)
ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو ہم نے ان نعمتوں
کو ایسے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو انکی ناقدری نہیں کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنکو اللہ نے ہدایت دی تو تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر،

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اصناف انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے بیشتر افراد کے نام بتائے گئے ہیں، جن کی پیروی اور تقلید ہماری روحانی بیماریوں کا علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درماں ہے، یہی وہ مقدس گروہ ہے جو خدا کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا، اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا، آج انسان کے سرمایہ میں فلاح سعادت، اخلاق، نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے جو کچھ اثرات و نتائج ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔ وہ جس جگہ اپنے نقش قدم چھوڑ گئے۔ اور دنیا کم و بیش انہی پر چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے،

نوحؑ کا جوش تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید، اسحاقؑ کی وراثتِ پدری، اسمٰعیلؑ کا ایثار، موسےؑ کی سعی و کوشش، ہارونؑ کی رفاقت حق، یعقوبؑ کی تسلیم، داؤدؑ کا غربت حق پہ ماتم، سلیمانؑ کا سرودِ حکمت، زکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی عفت، عیسےٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعتراف قصور، لوطؑ کی جانفشانی، ایوبؑ کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے، اور جہاں کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے، وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت، صحیح تمدن، اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اسکو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقات انسانی کا حصہ ہے۔ ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں، حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے، طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا، صناعوں نے ہنر اور فن پیدا کئے، ان سب کی کوششوں سے ملکر یہ دنیا کہیں کو

پہنچی، اس لئے ہم ان سب کے شکر گذار ہیں، مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں۔ جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔ جنہوں نے ہماری حرص و ہوس کی اندرونی چالیں درست کیں۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، ہمارے جذبات ہمارے احساسات اور ہمارے ارادوں کے نقشے درست کئے، ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و تنزل کا فن ترتیب دیا جس سے دنیا کے ...... صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی، اخلاق و سیرت انسانیت کا جوہر قرار پایا، نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے، خدا و بندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا۔ اور روزِ الست کا بھولا ہوا وعدہ ہمکو یاد آیا، اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کے ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی، اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقۂ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں، اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کی شکر گذاری کا اظہار واجب ہے، اسی کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ و سلام ہے۔ جو ہمیشہ انبیائے کرام کے نام نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔

اللّٰھم صلّ علیہم وسلّم۔

حضرات یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے، اس عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے، وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور تصویریں ہیں، ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایہ سعادت کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں

دنیا میں پچھلے عہد کے علوم، فنون، خیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، انسانی زندگیوں کی انہی تحریری اور معنوی عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے، ہماری زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحہ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت وبصیرت ہو، لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل وتزکیہ کے لئے صرف انبیائے کرامؑ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی کارآمد اور مفید ہو سکتی ہیں، اب تک دنیا نے انہی سے فیض پایا ہے اور آیندہ بھی انہی سے فیض پا سکتی ہے، اس لئے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیل روحانی کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پا سکتی، اور کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو، جس جہاز کر وگودیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۷ء میں حجاز ومصر سے واپس آرہے تھے، اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے، ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہمو سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلح کل کے تھے، اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے بانی اچھے اور نیک لوگ تھے، اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی۔ وہ موجودہ تمدن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا، تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی، فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اس لئے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی۔ جو

"ہماری توجہ کا مرکز بنتی"، اور "ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنتی" اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ "مذہب اپنے نبی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔"

"غرض ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے معصوم انسانوں، بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے، اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کے نمونے

۱) کسی نے صبر،
۲) کسی نے ایثار،
۳) کسی نے جوش توحید،
۴) کسی نے ولولہ حق،
۵) کسی نے تسلیم،
۶) کسی نے عفت،
۷) کسی نے زہد،
۸)

(۲)

عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل
صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیشِ نظر رہے، تو سلسلۂ سخن آگے بڑھے، میری پچھلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضرور ہے، جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کئے ہیں، وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسبِ حال "اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا، کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوشِ توحید، کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں "انسان کی پُرپیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک منار قائم کر دیا ہے" جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے، مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اس سرے سے لیکر اس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن

کردے، گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دے دے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزلِ مقصود کا پتہ پالے، یہ راہنما سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن نے کہا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ط

(احزاب - ع - ٦)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا، اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانے والا اور (غافلوں) کو ہشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا، اور ایک روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں۔ نیکوکاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں۔ ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں، اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بنکر اس دنیا میں آیا ہے، مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے، جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت اسماعیلؑ وغیرہ بہت سے جو نمایاں طور پر مبشر بنے، جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ، بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت

یونسؑ، لیکن وہ جو شاہد، مبشّر، نذیر، داعی، سراج منیر، سب کچھ بیک وقت تھا، اور جس کے مرقعِ حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوات والتحیات تھے، اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا، آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا۔ اس لئے آپ کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال، اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا، یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ واقعہ ہے۔ جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے۔ جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرّہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے، تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں، اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے، وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے، کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقش محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں، کہ ہم اپنی زندگی اسی نمونہ پر ڈھالیں، اور اس کی پیروی و تقلید کریں۔ لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں، تو آپ کیونکر اس کے قابلِ عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور بیتھالوجیکل قصے ہیں، جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا، اس لئے کیا پُر اثر ہونے کے لئے اور کیا قابلِ عمل اور لائق تقلید ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت، تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اُترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السّلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں، اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن بقولِ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ" "یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے" دوام، بقا، ختمِ نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاءؑ کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا، کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا، اس لئے اس زمانہ کے بعد تاریخ وہ دنیا سے مفقود ہوگئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے، ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں، اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں، ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم

اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ اُن کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیرے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گذر بھی نہیں، ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیرکٹر وہ ہیں جو مہابھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں، یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور، اور دور کی کس صدی کے کس سال کے واقعے ہیں۔ اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں، اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے، اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں؛

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض تنگی مزاج امریکی اور یوروپین علماء کو شبہ ہے مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں، تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد راؤں سے اسقدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کرسکتا۔ زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش، قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت۔ زبان، سال وفات

جائے وفات، ان میں سے ہر ایک مسئلہ سیکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی، ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کرسکتی، بااین ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہِ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرس کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں، وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے یہ عذر بے کار ہے، کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا، یہاں بہرحال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے، کہ وہ مٹ گئے، خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی اور کرن (Kern) اور ڈارمنیٹیر (Darmeteter) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان سے چین اور تمام ایشائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا، اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے، ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت اس کی تہذیب، اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے، اور اُس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے۔ لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانۂ وجود کی تعیین مگادھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے

ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہوسکا ہے، کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہوگئے تھے۔
جینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے، اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے
سامی قوم میں سیکڑوں پیغمبر آئے، لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزا، تاریخ کی کڑیوں سے بہرحال گم ہیں، اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تعلیم اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں، اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کریں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔
حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو توراۃ سے معلوم ہوتا ہے، مگر خود وہ توراۃ جو آج موجود ہے، اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کے صدہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر اب جرمن اسکالرس نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ توراۃ میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد

ہیں، اور یہی سبب ہے کہ توراۃ کے سوانح وواقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے، اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اجیرا ڈیشن کے آرٹیکل "بائبل" میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں۔ مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی انجیلیں طفولیت انجیل برنباس وغیرہ نامستند ہیں، ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا انہوں نے کس سے سنا کہ یہ حالات کا مجموعہ لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف انکی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح بھی ہے، یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں، ۶۰ء سے لیکر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل، ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے اور انکی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی ورومی متھالوجی کی محض نقالی ہے کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ چکاگو کے مشہور رسالہ اوپن کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰؑ کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے، اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

کاملیت کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ کوئی واقعہ پردۂ راز، اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسکی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے، ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں۔ لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔ مگر با ایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی۔ ان قصوں اور کہانیوں سے ہمکو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا۔ جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہوتے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی۔ اسکی طبیعت بیحد متاثر ہوئی، اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا، اور بنارس، گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر

(بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا، اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشاف حقیقت کا دعویٰ کیا، اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہمارے معلومات کا؟

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا، ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا[1] کے آرٹیکل زرداسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

"زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے، وہ ٹھیک متضاد ہے، اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی، اور جو کچھ ملتا بھی ہے، اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے،

" اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں"

---

[1] گیارہواں ایڈیشن،

اس کے زمانہ کی تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں۔ مضمون نگار لکھتا ہے۔

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں"

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربایجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ گشتاسب بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے۔ اس نے شادی بیاہ کیا۔ اولادیں ہوئیں، اور پھر کہیں مر گیا۔ کیا ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کر سکتا ہے، اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغِ راہ بن سکتی ہے، یا بنائی جا سکتی ہے؟

انبیائے سابقینؑ میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، موجودہ توراۃ کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کرکے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے لیتے ہیں، تاہم توراۃ کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے، اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کرکے مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو مصر سے لیجانے کی رخصت چاہتے ہیں رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں، وہ اپنی قوم کو لے کر نکل جاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے، فرعون غرق ہو جاتا ہے، اور وہ اپنی قوم کو لیکر

عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں۔ اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ تورات استثنا کے اختتامی فقرے یہ ہے۔

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا، اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔"

۱۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب ہے، ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے۔ کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزا حضرت موسیٰؑ کی تصنیف نہیں۔ لیکن با ایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰؑ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان درسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔ اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا" ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسویؑ کے یہ تکمیلی اجزاء، اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جا سکتے ہیں۔ اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جا سکتی تھی۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہمکو حضرت موسیٰؑ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں، اور ان کے سوانح کے ضروری اجزا، ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، ۱ (پیدائش)

جوانی میں ہجرت، شادی، اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بوڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جانے دیجئے، یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے، وہ اخلاق وعادات اور زندگانی کے طور وطریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں۔ ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام ونسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال واقوال بہت کچھ توراۃ میں مذکور ہیں۔ مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ گراٹولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں۔ مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار، اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں، جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سنکر آپ کو حیرت ہوگی۔ کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے۔ کہ وہ بابل واسیریا، عرب وشام، مصر وافریقہ، ہندوستان وترکستان کے ہزارہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھکر اور کھنڈروں اور پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لارہا ہے، اور دنیا کی تاریخ کے گم شدہ اوراق ازسر نو ترتیب دے رہا ہے، مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کرسکتا، وہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں۔ پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰؑ کے واقعاتِ زندگی نہ ملنا تھا، نہ مل سکے، انجیل کے بیان کے مطابق

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں۔ وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں۔ یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں۔ یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں۔ رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گذرا اور کیونکر گذرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے۔ اور رہیگی، ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی۔

جامعیت کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط "جامعیت" ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے۔ وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا چیز ہے۔ خدا اور بندوں، اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں

میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے، اس لئے ہر مذہب کے پیرووں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں، اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈھیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان مذہبوں میں توخدا، اس کی ذات، صفات اور دیگر حقوق الہٰی کا پتہ ہی نہیں۔ اور اس لئے ان کے بانیوں میں محبتِ الٰہی، خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں، اور ان کے کیا اعتقادات تھے، اور ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا۔ اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں۔ پوری توراۃ پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ توراۃ کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰؑ کے تعلقاتِ قلبی، اور طاعت وعبادت، اور خدا پر توکل ویقین، خدا کے صفاتِ کاملہ والہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیرووں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لئے ان کو اس کی توفیق نہ ملی،

حضرت عیسیٰ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب وروز میں کبھی جھکتا بھی تھا، اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گذری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو، پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر حضرت عیسیٰؑ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو نیس میں تین سو عیسائی علما کی مجلس اس کے فیصلہ کے لئے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوقِ عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین صلعم کے سوا تمام دیگر انبیا علیہم السلام اور بانیانِ مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں، بودھ نے اپنے تمام اہل وعیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا، اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی اور زوال یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن، اور دوست احباب کے تعلقات

میں ، بودھ کی سیرت کچھ کار آمد ہو سکتی ہے ۔ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لئے قابل تقلید ہو ؟ اسی لئے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لئے قابل تقلید نہ بنی ، اور نہ چین ۔ جاپان ۔ سیام و انام تبت و برما کی تمام سلطنتیں ۔ صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے ۔ اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا ۔

حضرت موسےؑ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے ، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے اور نہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق و اجبات ، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ۔ میاں بیوی ۔ باپ بیٹے ، بھائی بھائی ، دوست و احباب کے متعلق انکا کیا طرز عمل تھا ۔ صلح کے فرائض میں ان کا کیسا دستور تھا ۔ اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا ۔ بیماروں ، یتیموں ، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا ۔ اور ان کے ماننے والے ان باتوں میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں ۔ حضرت موسے بیوی رکھتے تھے بچے رکھتے تھے ، بھائی رکھتے تھے دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے ۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا ۔ مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہمکو یہ ابواب نہیں ملتے ۔ جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں ۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ماں تھیں ۔ اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے ۔ بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا ۔

مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ
ان کا تعلق، طرزِ عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ
انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ
ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومی کی
زندگی بسر کی، اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی
ہے، وہ متاہل نہ تھے، اس لئے ان دو جوڑوں کے لیے جن کے درمیان۔
توراۃ کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم
کیا ہے۔ حضرت عیسےؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی، اور
چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ
ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی،
جس نے گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت۔ صلح و جنگ، دوست و دشمن
کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لیے جو انہی
تعلقات سے معمور ہے۔ کیونکر مثالی ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار
کرلے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعتہً رک جائیں، اور
عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت

"آئیڈیل لائف" کا سب سے آخری معیار عملیت ہے۔ عملیت
سے یہ مقصود ہے۔ کہ شارع دین اور بانیٔ مذہب جس تعلیم کو پیش
کرتا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل
نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ، اور خوش آیند
سے خوش آیند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے۔ لیکن جو چیز ہر شخص

ہر وقت نہیں پیش کر سکتا، ناممکن ہے۔ انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی
دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال۔ خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریے
نہیں، بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور
بُرے کی تمیز اٹھ جائے، اور دنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن بن جائے۔ اب مجھے
پوچھنے دیجیے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیان مذاہب میں سے کون اپنی عملی
سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر۔ تو دشمن کو
پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اسکے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر
دے، جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا۔
جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے۔ تو اپنے تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ
میں دے دے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر۔ آسمان کی بادشاہت
میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔ بیشک اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں
نہایت دلخوش کن ہیں۔ مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا
ٹکڑا نہیں۔ بلکہ وہ صرف معشوقانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں۔ جس نے اپنے
دشمن پر قابو نہ پایا ہو۔ وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے۔ جس کے پاس
خود کچھ نہ ہو وہ غریبوں اور مسکینوں، اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے۔
جو عزیز و اقارب، بیوی، بچے نہ رکھتا ہو وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے
مثال کیونکر بن سکتا ہے۔ جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو وہ اسکا وعظ
کیونکر کہہ سکتا ہے۔ جسکو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں
سے غضبناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گا۔

غور فرمایئے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک سلبی اور ایک ایجابی منفی مثبت

(Positive) (Negative)

پہاڑ کی ایک کھوہ میں جاکر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا۔
کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا۔ یعنی آپ نے کوئی کام ایسا
نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو۔ مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی،
ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی۔ محتاجوں کو کھانا
کھلایا۔ کمزوروں کی حمایت کی۔ ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا۔
گرتوں کو سنبھالا۔ گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم۔ سخا۔ مہمان
نوازی۔ حق گوئی۔ رحم۔ حق کی نصرت کے لئے جوش۔ جدوجہد۔ مجاہدہ،
ادائے فرض۔ ذمہ داریوں کی بجا آوری۔ غرض تمام وہ اخلاق جن کا
تعلق عمل سے ہے۔ وہ صرف سلب فعل اور عدم عمل سے نیکیاں نہیں
بن جائیں گی۔ نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی
اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے، اس تقریر سے ظاہر ہوگا کہ جس سیرت
کا عملی حصہ سامنے نہ ہو ایک "ماڈل لائف" اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں
دیا جاسکتا، کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل
کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقات خداوندی و
تعلقات عباد، حاکمیت و محکومیت۔ سکون و غضب۔ جلوت و خلوت، غرض
زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیئے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمامتر حصہ انہی مشکلات
اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے
اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے
قولی نہیں بلکہ عملی لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے
کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی
میں نے آج جو کچھ کہا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں۔

کہ آئیڈیل لائف، اور نمونہ تقلید بننے کے لئے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیا علیہم السلام کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ انکی سیرتیں جو اُنکے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحتِ الٰہی کے مطابق تھا۔ تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لئے تھے۔ اس لئے اُن کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آیندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمدؐ رسول اللہ صلعم تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختمِ نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ؕ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(۳)

تاریخیت

آئیے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ عالم کے لئے مایۂ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر یا زبانی دین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہ روایت، تحریری صورت میں آگیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ، زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے، مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے۔ اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے، اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، وان کریمر کی ایڈیٹر شپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی، اور صحابہ کرامؓ

کے حالات میں حافظ ابن حجر کی اصابہ فی احوال الصحابہ طبع ہوئی، اور جنہوں نے (جیساکہ ان کا دعویٰ ہے[1]، کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمدؐ" لکھی ہے[2]، اور مخالفانہ لکھی ہے، وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء - ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری - نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔"

صحابۂ کرام کی تعداد حیاتِ نبویؐ کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی۔ ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لئے موجود ہیں، کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے۔ یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے۔ اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے۔

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔ اور تقریباً سنہ ۴۰ھ تک اکابر صحابہؓ عالمِ وجود میں رونق افزا رہے، سنہ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہؓ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے، خاصی تعداد موجود تھی، اور صدی کے ختم ہونے تک اس نورِ نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں

---

[1] ۱۸۵۴ء میں لکھی اور الہ آباد سے شائع ہوئی۔

[2] On the Origin and Progress of writing down historical facts among Musalmans.

شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابو امامہ باہلی رض	شام	سنہ ۸۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جزء رض	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفی رض	کوفہ	سنہ ۸۷ھ
۴	سائب بن یزید رض	مدینہ	سنہ ۹۱ھ
۵	انس بن مالک رض	بصرہ	سنہ ۹۳ھ

حضرت انس بن مالک رض جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی ہے، وہ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے ہیں، وہ سنہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعین یعنی صحابہ کے تلامذہ کا دور سنہ ۱ھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرت کی زیارت سے محروم رہے، یا بہت بچے تھے اور آنحضرت صلعم کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمن بن حارث تابعی تقریباً سنہ ۳ھ میں قیس بن ابی حازم سنہ ۴ھ میں، سعید بن مسیب سنہ ۱۴ھ میں پیدا ہو چکے تھے یہ دکھانے کے لئے کہ صحابہ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور وہ رسول اللہ صلعم کے وقائع و حالات، اور احکام وقضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے، ان کی مجموعی تعداد کیا ہوگی۔ میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں، طبقۂ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ رض کو دیکھا تھا، اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے، ۱۳۹ہے طبقہ دوم یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور اُن سے سنا ۱۲۹ ہیں۔ طبقہ سوم

کے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور اُن سے سنا ہے ہیں، اس
طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی سے
مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق ۔ یمن، مصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ
لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اور جن کے
روز و شب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلعم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس
اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا
گیا، اور وہ گن لی گئیں، اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلعم کے حالات و اقوال
کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے ۔ صحابۂ کرامؓ میں سے جن
اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابوہریرہؓ	۵۳۷۴	سنہ ۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	سنہ ۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	سنہ ۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰	سنہ ۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰	سنہ ۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶	سنہ ۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰	سنہ ۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، انکی
وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا۔ کہ ان کی وفات کے سال استقدر متاخرین

کہ ان سے فیض اُٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہو گی۔ انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں، اس لئے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا۔ آنحضرت صلعم کے بَلِّغوا عنّی (مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاھد الغائب (جو مجھے دیکھ رہے ہیں وہ مجھ سے ان مطلع کردیں، جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں، اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے، یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا، اس لئے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ھ ان معلومات کی حفاظت کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا۔ ان کو دہرانا پڑتا تھا۔ اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے جہاں اپنے اقوال اور افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کردی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ اس اعلان کا یہ اثر تھا۔ کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی کوئی بات نقل کی۔ تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرانے لگے، پھر کہا، "حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا"

عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا۔ وہ سیکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جسقدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اسکو ترقی ہوتی ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوت حفظ کو معراجِ کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی

سنکر یاد کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں، ایک ایک محدّث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا، اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں اُن کی عزت نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اورنیٹلسٹ اسکالرس، اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈزیہر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلعم کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، ان کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر بتفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے۔ اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہؓ نے اپنے معلومات کو عموماً تین اسباب سے قید تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداءً آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کردی تھی، اور فرمایا تھا۔ کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو لا تکتبوا عنّی غیر القرآن، اور یہ اس لئے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہوگیا۔ تو آخر میں خود آنحضرت صلعم نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی، اس پر بھی

اکثر صحابہؓ ان کو قیدِ تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتنا، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرا اٹھیں گے، یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا، سینوں کا علم گھٹتا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعوے کر بیٹھے گا۔ چنانچہ یہ بھی ہوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے، اسلئے کوئی چیز تحریر بھی کر لیتے تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کردے۔ مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے، کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوالِ نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا، اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبارِ نبویؐ کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا اور مغازی و سیرت میں ابن اسحاقؒ کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے، یہ دونوں بزرگوار ہمعصر تھے، البتہ ان کی وفات

بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ میں ہوئی، اس لئے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے، حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی، وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے، انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے فرمان بھیجا کہ "آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے" یہ واقعہ تعلیمات بخاری، موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے، چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی، اور اخبار و احادیث و سنن دفاتر میں لکھ کر دار الخلافہ میں آئے، اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لئے اس لئے ہوا کہ وہ خود امام تھے۔ مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے، لیکن اس کے علاوہ اس لئے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں، اور ان کی یہ روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے تھیں ان کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبوی ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ دیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابو شاہؓ ایک یمنی صحابی کی درخواست

۱؎ مختصر جامع بیان العلم ابن عبد البر صفحہ ۲۸ مطبوعہ مصر۔

پر آپ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا (باب کتابۃ العلم) آنحضرت صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کئے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپکا وہ خط جو مقوقس شاہ مصر کے نام آپ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہ وہی نامہ ہے، جو آپؐ نے لکھوایا تھا، اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں، یہ پرانے عربی خط میں ہے اور اس کی بعینہ وہی عبارت ہے، اور مُہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے، یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا۔ (بخاری باب کتابۃ العلم) ابو داؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبد اللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبد اللہؓ بن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷) عبد اللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا، (ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، جن میں ایک یہ صادقہ ہے، اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلعم سے سنکر لکھا ہے (دارمی ۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبد اللہ بن عمرو صحابیؓ کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ فرمایا یہ صادقہ ہے جسکو میں نے

خود آنحضرت صلعم سے سنا جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے (ابن سعد ۲-۲-۱۲۵) صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے۔ (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحوں میں ہیں، انکو لکھوا کر آنحضرت صلعم نے امراء کو بھیجا تھا، اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس، آل عمرو بن حزم کے خاندان میں، اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دار قطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں۔ (دار قطنی ۲۰۴) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور انہوں نے اسکو لوگوں کی درخواست پر دکھایا (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴ و ۱۰۲۰) حدیبیہ میں جو صلحنامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی، اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد مغازی ص ۷۱) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں۔ (کنز العمال ۳ صفحہ ۱۸۶) عبد اللہ بن الحکیمؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷) وائل بن حجر صحابیؓ جب بارگاہِ نبویؐ سے اپنے وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا۔ جس میں نماز، روزہ، ربوٰ، شراب اور دیگر احکام تھے۔ (طبرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی

کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا۔ مجھے معلوم ہے آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا، (دارقطنی ۲ صفحہ ۴۸۵)
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ھ - ۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لئے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دارقطنی ۴۵)
آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے۔ قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (دارمی صفحہ ۲۹۳)
حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلعم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں، (دارقطنی صفحہ ۴۵) مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا" اور مدینہ بھی حرم ہے، اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں (ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے سوا اور کون سورہ پڑھتے تھے۔ انہوں نے جواب لکھا کہ ھَلْ أَتَاكَ (مسلم ۳۲۲) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم ۲ - ۳۰۷)
یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلعم نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے یا بھجوائے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لانا چاہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت میں مرتب کیا۔ پھر اسکو پسند نہ کیا، اور مٹا دیا (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے

اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا، اور بہت کچھ سوچتے رہے۔ مگر جرأت ہمت نہ کی۔ ابھی آپ سن چکے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلعم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جس میں آپ کے ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے، اور وہ اس کو دکھاتے تھے (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ (مسلم مقدمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے۔ اہل طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لئے لائے (کتاب العلل ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے۔ (دارمی ۶۹) عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا، (ترمذی ۶۱ و ۱۱۳) اور یہ بیچارے اسلئے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں۔ خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب ۸ — ۴۹) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ا ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا، اور ابوالزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو آئمۂ حدیث میں ہیں، اور تابعی ہیں، حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا، (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندب صحابیؓ سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ان کے بیٹے حبیب (تہذیب التہذیب ۴ — ۱۹۸) حضرت ابوہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہؓ میں کوئی حافظ حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے، اس کو امام ابن

حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے۔ بشیر ابن نہیک نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا، اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱، دارمی ۶۸) حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ (فتح الباری جلد اص ۱۸۴، ۱۸۵)

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں، وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ "میرے بچو" علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ" (دارمی ۶۸) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قید تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ۶۸) سلمیٰ ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا۔ کہ وہ ابو رافع آنحضرت صلعم کے غلام سے .... آنحضرت کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۳) واقدی سیرت نبویؐ کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک ہے، بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے نام آنحضرت صلعم نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا (زاد المعاد ۲-۵۷) غزوۂ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیر نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا (طبری ۱۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت کے خادم خاص تھے اور انکو آنحضرت صلعم کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا۔ ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہیں اور پھر اسکو جا کر لکھ لیتے ہیں اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ

ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سنتا تھا، تو پالان پر لکھتا تھا۔ صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا، (دارمی ۶۹) براء ابن عازب صحابیؓ کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبد اللہ ابن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبد الرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو انکو لکھتے تھے، پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے، اگر انکو اسکا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے انکے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع ۳۳) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے مٹا دیا (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا۔ تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا۔ اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کئے کہ وہ بولتے جائیں یہ لکھتے جائیں۔ ـــ (جامع ۳۳) حضرت معاویہؓ نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی۔ لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹوا دی۔ (احمد ۵ ص ۱۸۲)

حضرات! شاید آپ تھوڑے سے واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہوں، لیکن اطمینان رکھئے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے۔ میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے۔ تو خود عہدِ نبویؐ میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا، اور پچھلوں کے لئے یادگار چھوڑا، اور پچھلوں نے اس کو اپنی

کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام مرویات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھکر ایک ایک کے دروازہ پہ جاکر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطار بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا۔ شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں۔ آنحضرت کی ایک ایک چیز کو لکھا۔ ابو الزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۷۳) ابن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے، میں نے کہا کہ میں سنن لکھونگا، چنانچہ جو کچھ آنحضرت صلعم سے متعلق تھا، سب لکھا۔ زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے۔ میں نے کہا وہ سنت نہیں۔ چنانچہ میں نے نہیں لکھا انہوں نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا۔ (ابن سعد ۲ قسم ۲۔ صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قید تحریر میں لانے والے سیکڑوں تابعی تھے۔ جن میں سے ایک امام زہری ہیں۔ صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پہ بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے۔

امام زہری سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۴ھ میں وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے، انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصا سے آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال جمع کئے اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے کرو، کہ "وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک

انصاری کے گھر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہانتک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمہ زہری) اس زمانہ میں بکثرت صحابہؓ زندہ تھے۔ زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع و ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول تھے یہی اُن کی زندگی کا کام تھا۔ اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث و سیر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہؓ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا، اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس کے بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمامتر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلعم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا، اور صحابہؓ کی زیارت کی اور اُن سے مستفید ہوئے۔ عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ہوں مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہوئے، یا آپ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے۔ وہ سب تابعین میں داخل ہیں، اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں، اور نہ سو برس کا زمانہ گذارنے

کی حاجت ہے اور تو تابعیت کا آخری عہد ہے۔ جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ صحابہؓ کے وجود کا خاتمہ ہوگیا۔ جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام برس کے بعد شروع ہوگا مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں، اوّل جب ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے۔ تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کئے گئے، اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا، پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور ۱۵۰ھ تک رہا، اور تیسرا دور ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔ پہلا دور صحابہؓ اور اکابر تابعینؒ کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا، اور تیسرا دور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ترمذیؒ، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے، اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپایا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے۔ جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں،

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول "اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں۔ جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات

انتخاب کر لئے جاتے ہیں۔ جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے۔ کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ اُن کے مشاغل کیا تھے؟ اُن کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے، یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں۔ ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، اُن کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا۔ جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔"

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصول تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکہ اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جا سکتی ہے۔ راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں۔ راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے، جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر

محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی، اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا۔ امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟ مسعودی ایک محدث ہیں سنہ ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔ یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں۔ کہ انکو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ "میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا" کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچا پکا صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف قابل قبول اور ناقابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے اور آج بھی انہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جا سکتی ہے، اور کھرے کھوٹے کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا۔ آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آگیا ہوگا، اب میں

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۰ [2] ایضاً جلد ۶ صفحہ ۲۱۱ [3] ایضاً جلد ۶ ص ۲۳۱

آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے، اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرت مبارکہ کا سب سے اہم۔ سب سے مستند سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے، آنحضرت صلعم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی .... زندگی، یتیمی، غربت، تلاش حق، نبوت، وحی، اعلان دعوت، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، واقعات، اخلاق سب اس میں موجود ہیں۔ اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے،

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح الگ کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے، مسانید ہیں جن سب سے ضخیم امام ابن حنبلؒ کا مسند ہے۔ جو چھ جلدوں میں ہے، اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے بڑے باریک حرف کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی، اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں، ان مجموعوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت صلعم کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال ہے اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں۔ ان میں مغازی عروہ بن زبیر، المتوفی سنہ ۹۴ھ، مغازی زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ، مغازی موسیٰ ابن عقبہ المتوفی سنہ ۱۴۱ھ، مغازی ابن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۰ھ، مغازی زیاد بکائی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ، مغازی واقدی المتوفی سنہ ۲۰۷ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں، جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت صلعم کے سوانح پر ہے، ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابوجعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خیثمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلعم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں، مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ دلائل النبوت ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ دلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ، دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں، یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت صلعم کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے، جس کی بڑے بڑے علما نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں، اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشفا فی حقوق المصطفےٰ قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی ہے، اسی فن کی دوسری کتابیں شمائل النبی ابوالعباس مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفی ۵۵۲ھ اور سفر السعادہ مجدالدین فیروزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں۔ جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت صلعم کے مقامی

حالات اور ان مقامات کے نام ونشان ہیں، جن کو آنحضرت صلعم سے کوئی تعلق ہے، اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ للازرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبار مدینہ عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ اخبار مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں نے سیرت مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے، اس سے موافق ومخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سیرت محمدیؐ کی تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لئے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درسگاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کئے، حضرت قتادہؓ انصاری صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے، خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے پایہ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھکر اس کا درس دیتے تھے۔ (تہذیب)، غرض آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں، ہر زبان میں، آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا، اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ کا نہیں، اس میں بھی محسوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس وپیش سے شروع ہوتا ہے، تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین وایمان ہی اس سرکار کی عقیدت وغلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آؤ، ہندوستان میں ہندوؤں نے سکھوں نے عیسائیوں نے، برہمو سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی ہیں، یورپ جس

کو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لیے یا علمی ذوق یا تاریخ عالم کی تکمیل کے لیے لائف آف محمدؐ پر کتابیں لکھی گئیں، آج سے غالباً ۱۶-۱۷ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ المقتبس میں شمار چھپا تھا۔ کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلامؐ کے متعلق ۱۳ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچیگا، انگریزی زبان میں پروفیسر مارگولیس (D. S. Margoliouth) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں) کی کتاب محمدؐ سے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، تاہم اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔"

(The biographers of the Prophet Mohammad form a long series it is impossible to end but in which would be honourable to find a place.)

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ

کتاب "لائف آف محمد اینڈ دی قرآن" لکھی ہے، اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں، ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں۔

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ BASWORTH SMITH، فیلو آف ٹرینٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمد اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں لکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے۔

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتدا نامعلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے ادبی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے۔ جنکو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں، ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنہوں نے انکی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبرس (AMBRASE) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں، ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے۔ جس نے تین سال کے لئے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم جانتے ہیں۔ اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے، اور شاید اور بہت زیادہ

کرے۔ ایک "آئیڈیل لائف" جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی۔ اُن کے ابتدائی احباب، اُن کے ساتھ اُن کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع۔ یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے متعلق اسی قدر جانتے ہیں۔ جسقدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی۔ فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جاسکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے (ص ۱۴-۱۵، ۱۸۸۹ء)

آنحضرت صلعم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں، اور لکھ رہے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاؑ کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے۔ سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سنکر اور پڑھکر اور اُن کا ہر ایک حرف سمجھکر دوسروں تک پہنچائیں۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے ۹۰۰ آدمیوں نے سنا جن میں سلاطین زمانہ

علماء، فقہا، حکماء، ادباء، اور صوفیہ ہر طبقہ کے آدمی تھے۔ امام بخاری کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا اس احتیاط، اس استناد، اور اس اہتمام سے بتاؤ کس شارع یا بانیِ دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور یہ تاریخیت محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کس کے حصہ میں آئی؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ

۴

کاملیت
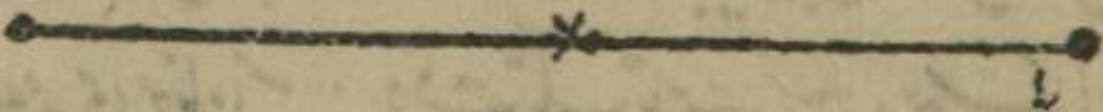
دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کاملیت ہے، کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو، ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل، اور ہر نقص سے بری ہونا، اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس زندگی کے تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لیکر وفات تک۔ ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے، اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے، ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔ پیدائش، شیرخوارگی، بچپن، ہوش وتمیز، جوانی، تجارت، آمدورفت، شادی احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح۔ دعوت اسلام کے نامۂ پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع، وفات۔ ان میں سے کونسا زمانہ ہے۔ جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں۔ اور آپ کی کونسی حالت ہے جس سے ہی تاریخ

ناواقف ہیں، سچ جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز الگ الگ موجود ہے، اور اس کو ہر شخص جان سکتا ہے، کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف روایتوں تک کو کیوں محفوظ رکھا، مگر خیال آیا کہ اس میں مصلحت الٰہی یہ تھی۔ کہ معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے بہت سی روایتوں کو غائب کردیا۔ جیسا کہ آج عیسائی لٹریچر پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے محدثین کرام نے اپنے پیغمبر کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لاکر رکھدیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان تفرقے بتا دیئے ہیں، اور اصول مقرر کردیئے ہیں۔

اُٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے۔ دوست، احباب، نماز، روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا، دھونا، کھانا، پینا، ہنسنا، رونا، پہننا، اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت، جلوت، ملنا، جلنا، طور و طریق، رنگ و بو، خط و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی و طہارت کے واقعات ہر چیز پوری روشنی میں مذکور، معلوم اور محفوظ ہے، میں یہاں پر آپ کو شمائل نبویؐ کی صرف ایک قدیم ترین کتاب شمائل ترمذی کے ابواب پڑھ کر سناتا ہوں۔ جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جزئی جزئی واقعات بھی کس طرح قلمبند کئے گئے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلعم کے حلیہ اور صورت و شکل کے بیان میں

۲۔ آنحضرت کے بالوں کے بیان میں ۴۔ آنحضرت کے پکے ہوئے بالوں کے بیان میں

۳۔ " کنگھی " " ۵۔ " خضاب "

۶ - آنحضرت کے سرمہ لگانے کے بیان میں
۷ - " لباس "
۸ - " زندگی بسر کرنے "
۹ " موزوں "
۱۰ " پاپوش "
۱۱ " خاتم (انگوٹھی) "
۱۲ " تلوار "
۱۳ " زرہ "
۱۴ " خود "
۱۵ " عمامہ "
۱۶ " پائجامہ "
۱۷ " رفتار "
۱۸ " منہ پر کپڑا ڈالنے "
۱۹ " نشست "
۲۰ " تکیہ و بستر "
۲۱ " تکیہ لگانے "
۲۲ " کھانے "
۲۳ " روٹی "
۲۴ " گوشت اور سالن "
۲۵ " وضو کرنے "
۲۶ " کھانیکے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھونے "

۲۷ آنحضرت کے پیالہ کے بیان میں
۲۸ " " میوہ "
۲۹ " کیا کیا پیتے تھے "
۳۰ " کیسے پیتے تھے "
۳۱ " خوشبو لگانے "
۳۲ " باتیں کرنے "
۳۳ " شعر پڑھنے "
۳۴ " رات کے باتیں کرنے اور قصے کہنے "
۳۵ " سونے "
۳۶ " عبادت "
۳۷ " خندہ و تبسم "
۳۸ " مزاح "
۳۹ " چاشت کی نماز "
۴۰ " گھر میں نفل پڑھنے "
۴۱ " روزہ "
۴۲ " قرآن پڑھنے "
۴۳ " گریہ و بکا "
۴۴ " بستر "
۴۵ " تواضع "
۴۶ " اخلاق کے "

۴۷	آنحضرت صلعم کے حجامت کے بیان میں	۵۰	آنحضرت کے سن وسال اور عمر کے بیان میں
۴۸	" اسمائے گرامی "	۵۱	" وفات "
۴۹	" زندگی کی عسرت حال "	۵۲	" میراث متروکہ "

یہ آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں۔ ان میں ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند کہیں بکثرت واقعات ہیں۔ اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا، اندر آپ بیویوں اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے۔ باہر معتقدوں اور دوستوں کی محفل میں:

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، اسی لئے والٹیر کے مشہور فقرہ کے مطابق "کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا۔ NO MAN IS A HERO TO HIS VALET" باسورتھ اسمتھ کی رائے ہیں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں[1]۔ گبن نے لکھا ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اسقدر سخت امتحان نہیں لیا، جسقدر محمد صلعم نے، انہوں نے دفعتہً اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا، جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی۔ اپنے غلام۔ اپنے بھائی! اپنے سب سے واقف کار دوست کے سامنے، اور ان سب نے بلا پس و پیش آپ کے دعوی کی صداقت کو تسلیم کر لیا" بیوی سے بڑھکر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقفکار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ہی کی بیوی ایمان لائی۔ وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ کی رفاقت

---

[1] باسورتھ اسمتھ کی کتاب لائف آف محمد پر خطبات صفحہ ۱۰۵

میں رہ چکی تھیں، اور آپ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں؛ بااین ہمہ جب آنحضرت صلعم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہی نے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا۔

بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذنِ عام دیدے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت، اور ہر واقعہ کو برملا کہدو۔ اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کردو۔ مگر آنحضرت صلعم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں، اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذنِ عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو اسے جلوت میں سب سے برملا بیان کردو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کردو۔ جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہدو۔ اس اخلاقی وثوق و اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

یہ تو آنحضرت صلعم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا۔ آپ کے اخلاق طاہرہ اوصاف عالیہ، اور آداب فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یوروپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یوروپین زبان میں ترجمہ کردیا جائے سیرۃ نبوی کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کئے ہیں۔

حلیۂ اقدس۔ مہر نبوت۔ موئے مبارک، رفتار، گفتگو۔ خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خود و زرہ، غذا اور طریقہ طعام، معمولات طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال۔ لطافت پسندی سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسب ذیل عنوانات ہیں،

صبح سے شام تک معمولات، خواب، عبادت شبانہ۔ معمولات نماز۔ معمولات خطبہ۔ معمولاتِ سفر، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ عیادت وعزا، معمولات ملاقات۔ عام معمولات۔

مجلس نبویؐ کے ماتحت عنوانات:۔

دربار نبوتؐ، مجالس ارشاد، آدابِ مجلس، اوقاتِ مجلس، عورتوں کے لئے مخصوص مجالس، طریقۂ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیض صحبت، طرزِ بیان، خطبات کی نوعیت، خطبات نبوی کی تاثیر۔

عبادات کے ماتحت عنوانات،

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یاد الٰہی۔ خدا کا ذوق وشوق میدان جنگ میں یاد الٰہی۔ خشیتہ الٰہی، گریہ وبکا، محبت الٰہی، خدا پر توکل، صبر وشکر۔

اخلاق نبویؐ کی تفصیلی جزئیات:۔

اخلاقِ نبویؐ کا جامع بیان، استقامتِ عمل۔ حسنِ خلق، حسن معاملہ، عدل وانصاف۔ جود وسخا، ایثار، مہمان نوازی۔ گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، تقشف ناپسند تھا، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی شرم وحیا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم واستقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد وقناعت، عفو وحلم، دشمنوں سے عفو ودرگذر، اور حسنِ سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کیساتھ

محبت و شفقت، دشمن جانی سے عفو و درگذر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کیساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت و محبت عام، رقیق القلبی، عیادت و تعزیت، لطفِ طبع، اولاد سے محبت، ازواج المطہرات کے ساتھ سلوک،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپ کے حالات کا استقصاء کیا ہے چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سنئے۔

آپ کا طریقہ رسل و رسائل، آپ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ کے نکاح اور ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خواب و بیداری کا طریقہ، سواری کا طریقہ، لونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لئے قبول فرمانے کا طریقہ، آپؐ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، حوائج ضروری کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے، اور ترشوانے میں آپ کا طریقہ، آپ کا طرز کلام۔ آپ کی خاموشی، آپ کا خندہ فرمانا۔ آپ کا رونا، آپ کا طریقہ، خطابت، طریقۂ وضو، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، طریقہ تیمم، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ۔ آپ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ۔ قعدۂ اخیرہ میں آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کے نماز میں بیٹھنے اور تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ کا دعا فرمانا، آپ کے سجدہ سہو کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ۔ سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپ کے سنن و نوافل پڑھنے کا طریقہ۔ تہجد یا فجر کی سنت کے بعد آپ کی استراحت کا طریقہ۔ آپ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، آپ کا وتر کے بعد بیٹھکر نماز پڑھنے کا طریقہ۔ آپکے

قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ کے سجدہ شکر بجالانے کا طریقہ، آپ کے سجدۂ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے جمعہ کے معمولات، آپ کے جمعہ کے دن کی عبادات کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ، صلوٰۃ عیدین میں آپ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ۔ استسقاء میں آپ کا طریقہ، آپ کے سفر کا طریقہ، سفر میں آپ کے نفل پڑھنے کا طریقہ۔ آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ۔ آپ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ۔ بیماروں کی عیادت میں آپ کا طریقہ۔ جنازوں کے متعلق آپکا طریقہ۔ جنازوں کے ساتھ آپ کے تیز قدم اٹھانے کا طریقہ، آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اس کے متعلق آپ کے سوال کرنے کا طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپ کا نماز نہ پڑھنا۔ جنازہ کے آگے آگے آپ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لئے آپ کے کھڑے ہونیکا طریقہ، تعزیت اور زیارت قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ، زکوٰۃ وصدقات میں آپ کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ و افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے درپے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روز جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے

پر آپ کا کراہیت فرمانا، آپ کے اعتکاف کا طریقہ۔ حج وعمرہ میں آپ کا طریقہ۔
آپ کا ایک سال میں دو عمرہ ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے حجوں کی کیفیت، آپکا
حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ، آپ کا حج میں سر منڈانے
کا طریقہ، ایام حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ، عید الاضحیٰ میں آپ کے
قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ کا طریقہ۔ نومولود بچہ کے کان میں آپ کے اذان
دینے اور اس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپ کے عادات ناموں اور
کنیتوں کے رکھنے میں آپکا طریقہ ہونے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپکا طریقہ، گھر میں داخل ہونے کے وقت
آپکا طریقہ بیت الخلاء جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپکے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعاء کے
متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظِ اذان کے دہرانے ....
کے متعلق آپ کا طریقہ، رویت ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ
کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ،
آدابِ طعام میں آپ کا طریقہ، آداب سلام میں آپ کا طریقہ، آپ کا دوسروں
کے گھر میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آدابِ سفر میں آپ کے
طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق
آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپ کی عادت
غزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ، قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول،
قیدی جاسوس اور غلام کے متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے،
امان دینے، جزیہ مقرر کرنے اور اہل کتاب و منافقین کے ساتھ معاملات
کرنے میں آپ کا طریقہ، کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب، آپ کے
برتاؤ کرنے کا طریقہ، آپ کا امراض قلب اور امراض بدن کے علاج
کرنے کا طریقہ،

میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست پیش کی ہے، اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے، تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی، غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں، وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔

حضرات! اب آپ نے سمجھا ہوگا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود تھا۔ اور میرے اس دعویٰ کی (کہ اس معیار پر سیرۃ محمدی کے سوا انبیاءؑ میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں) صداقت آشکارا ہو گئی ہوگی۔

(وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے۔ تاہم یہ مختصراً سن لیجیے کہ) آنحضرت صلعم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں، یا میدانِ جہاد میں، نمازِ شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشۂ تنہائی میں، ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظرِ عام پر لائی جائے، ازواجِ مطہرات رضؓ آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں، مسجدِ نبویؐ میں، ایک چبوترہ ان عقیدتمندوں کے لئے تھا۔ جن کے رہنے کو گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سننے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گذارنے کے لئے صرف کرتے تھے۔ اُن کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہی میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں۔ یہ ستر ہستیاں معتقد جاسوسوں کی طرح شب و روز ذوق و شوق کے ساتھ آپ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے

والی تمام آبادی دس برس تک متصل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزارہا صحابہؓ کو شب و روز آپ کے دیکھنے اور آپ کے حالات مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، غزوۂ فتح میں ۱۰ ہزار، تبوک میں ۳۰ ہزار، اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہؓ کو آپ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے، اور خلوت و جلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقۂ تعلیم اور میدان جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی، اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کون سا پہلو ہوگا۔ جو زیر پردہ رہا ہوگا، اور اس پر بھی ایک شخص تک آپ پر خردہ گیری نہ کر سکا، آج بھی آپ کے دشمن اور مخالف پوری چھان بین اور تلاش و جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعداد ازدواج کے سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو اب ایسی زندگی کو معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے، یا ان زندگیوں کو جن کا بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔

ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے، آنحضرت صلعم ہمیشہ صرف اپنے معتقدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے۔ بلکہ مکہ میں قریش کے مجمع میں رہے۔ نبوت سے پہلے ۴۰ برس آپ کی زندگی انہی کے ساتھ گذری، اور پھر تاجرانہ زندگی، لین دین کی زندگی، معاملہ اور کاروبار کی زندگی، جس میں قدم قدم پر بدمعاملگی، بدنیتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار آتے ہیں، مگر آپ اس طرح بے خطر اس راستہ سے گذر گئے کہ آپ کو ان سے امین کا خطاب حاصل ہوا، نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر یہ اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اسی لئے مکہ میں چھوڑا تاکہ

آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ کے دعوئے نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں۔ پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں۔ آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنوں کہا۔ مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکتے حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ ہی کے یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے اس دعوے کے ابطال کے لئے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعوے کے توڑنے کے لئے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں۔ کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے۔ وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے، اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے، اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا۔ کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے، تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانت دار تھا، اور اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی، اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو، کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنوں ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں۔ محمدؐ میں یہ کوئی بات نہیں۔ (ابن ہشام)

آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا، محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔

البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو۔ اس کو صحیح نہیں سمجھا۔" چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔ (ترمذی تفسیر انعام)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (انعام ۴)

ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو (اے پیغمبر) غمگین کرتی ہیں، تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب آنحضرت صلعم کو بیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا، "یا معشر قریش"! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا" اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ (بخاری شریف سورۂ تبّت)

قیصر روم کے دربار میں قاصد نبوی پہنچا ہے۔ کفار قریش میں آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس متواتر آپ کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جماتے رہے، وہ آنحضرت صلعم کی تصدیق کے حال اور تفتیش کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ موقع کی نزاکت پر غور کرو۔ ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے جس کو وہ دل سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ایک ایسے باسر و سامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت ہے۔ کہ اگر اس کو راضی کر لیا جائے۔ تو دم کے دم میں اس کی فوجیں مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں۔ تاہم اس سوال و جواب کو سنئے۔

قیصر، مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے۔ ابوسفیان شریف ہے

قیصر	اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔	ابوسفیان	نہیں
"	اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے	"	نہیں
"	جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے، وہ کمزور ہیں۔ یا صاحب اثر	"	کمزور لوگ ہیں
"	اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔	"	بڑھتے جاتے ہیں۔
"	کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے۔	"	نہیں
"	وہ کبھی اپنے عہد و قرار سے بھی پھرا ہے۔	"	ابھی تک تو نہیں مگر آئندہ دیکھیں
"	وہ کیا سکھاتا ہے۔	"	کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ نماز پڑھو۔ پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو۔ اہل قرابت کا حق ادا کرو۔

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سوائے سیرتِ محمدی کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے، اس سے زیادہ آپ کی کاملیت کی گواہی ہو سکتی ہے؟

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ کو اور ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلعم پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے، وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے، جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی۔ اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار، ایران، شام، مصر اور ایشائے کوچک تک پھیلے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا۔ اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے ملکوں پر فرمانروائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے، کہ ایسے پرزور، قوی بازو اور دانایانِ روزگار سے آنحضرت صلعم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا۔ اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے۔ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ کے ایک ایک نقشِ قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یہ آپ کی کاملیت کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔

آنحضرت صلعم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، آپ جس طرح تھے اسی طرح سب کو معلوم تھے، اور اسی طرح اب تک ہیں حضرت عائشہ رضؓ آپ کی زوجۂ محترمہ جو نو برس آپ کے ساتھ رہیں فرماتی ہیں، "جو تم سے بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپا لیا۔ اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا۔ تو اس کو سچ نہ جانیو۔ کہ خدا فرماتا ہے۔

(صحیح بخاری تفسیر آیۃ ذیل)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (مائدہ - ۱۰)

اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اترا وہ لوگوں تک پہنچا دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا،

دُنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی بے خطر برملا اعلان کردے، خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری و رہنمائی اور وہ بھی روحانی و اخلاقی کر رہا ہو۔ لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں آنحضرت صلعم کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے، تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی۔ لوگوں نے یاد کی۔ ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی، اور اب تک جہاں محمد صلعم کا نام ہے وہ آیتیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں، حالانکہ اگر ان معمولی فروگذاشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا۔ مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہوتی تھی، اور وہ کی گئی۔

آنحضرت صلعم کا اپنے منھ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلعم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے)۔ (مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۴۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے، مگر آنحضرت صلعم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا ہے۔

باسورتھ اسمتھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہوتی ہے۔

”یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے، شخصیت کی تاریک گہرائیاں

درحقیقت ہیں، اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی۔ لیکن ہم محمدؐ کی ہر بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ ان کی جوانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات، ان کی عادات ان کا پہلا تخیل، اور تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت نوبت آنا، اور ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جاچکا ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں، جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے۔ لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کرسکا، اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر اسپرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب متضاد، تھکا دینے والی، لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز، جو اس کے اندر بند ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا، اور یہ محمدؐ کی آخری عظمت ہے۔ کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ (ص ۱۵)

گبن کے الفاظ ہیں، کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمدؐ نے جب کہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ لوگ جو اس سے سب سے زیادہ

واقف تھے، ان کی بیوی، ان کا حبشی غلام، ان کا چچا زاد بھائی
ان کا سب سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ محمدؐ نے خود کہا
ہے، کہ اس کے پیرووں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت
پھیری، اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد
ہوئے، پیغمبروں کی عام قسمت محمدؐ کے حق میں بالکل الٹ گئی۔
وہ پیغمبر معزز نہ تھا لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف
نہ تھے (۱۰۸-۱ اسمتھ)

ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جسقدر آنحضرت صلعم کے حالات سے
واقف تھا، اسی قدر زیادہ وہ ان کا عقیدتمند تھا، عام پیغمبروں کا یہ اصول
رہا ہے پہلے ان کو ناواقفین نے مانا ہے، تب جاکر گھر والوں کی باری آئی ہے،
مگر آنحضرت صلعم کا سانحۂ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے
اُنہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق، عادات اور حالات سے زیادہ واقف
تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتقاد کا شدید خطرناک امتحان دیا
ہے۔ حضرت خدیجہؓ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں
جس میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دو چار ہونا پڑا، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس
وقت جب ہر چہار طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ کیساتھ
خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا، حضرت علیؓ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح
کو مقتل بننے والا تھا۔ حضرت زیدؓ غلام خاص وہ تھے جو پتہ چلنے پر اپنے باپ
کے اصرار پر بھی اپنے روحانی باپ سے مفارقت گوارا نہ کی۔

گاڈفری ہیگنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے
عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلعم) کے پیغام نے

> وہ نشہ آپ کے پیرووں میں پیدا کردیا تھا جس کو عیسیٰ کے
> ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جب عیسیٰ کو سولی
> پرلے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور
> اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس
> کے محمد (صلعم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپ
> ...... کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں
> پر آپ کو غالب کردیا۔ (ترجمہ اردو ص ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء)

اُحد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے آپ پر یورش کی، اور
مسلمانوں کی صفیں درہم ہوئیں تو آپ نے آواز دی کہ "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟"
اس آواز کو سن کر دفعۃً سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے
لڑکر جانیں فدا کردیں، ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر تین
پیاری جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں، باری باری تین سخت حادثوں کی صدائیں
اس کے کانوں میں پڑتی ہیں، اور وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی جاتی ہے کہ وہ جانِ عالم
رسول اللہ صلعم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بخیر ہیں ......، اس نے
پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی۔ "کل مصیبۃ بعدک
جلل یا رسول اللہ" تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

دوستو! یہ محبت، یہ عشق، یہ جاں نثاری ان میں تھی جو آپ کو ہر طرح اور ہر
حیثیت سے جانتے تھے، کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اس کے ساتھیوں
اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو، اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں۔

اس سے زیادہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لئے نمونہ بنایا، اور اس کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بنایا،

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۴۰)

اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو، تو خدا تم کو پیار کرے گا۔

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی نقل وعکس کو خدا کی محبت کا معیار بتایا! ایک لمحہ کے لئے نشۂ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے۔ مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں، ہر کیفیت میں آپ کی اتباع کے پلصراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنتِ محمدیؐ سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہو، سب سے مشکل امتحان ہے۔ اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابہؓ پورے اترے، اور اسی جذبہ نے صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین، مورخین، اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے کہ وہ آپ کی ایک ایک بات، ایک ایک چیز، ایک ایک حیثیت کو معلوم کریں۔ پچھلوں کو بتائیں۔ تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے، اس نکتہ سے ظاہر ہوگا۔ کہ آنحضرت صلعم کی زندگی اس کے جاننے والوں کی نگاہ میں پوری کامل تھی۔ تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے، اس لئے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں، اور وہ سب کے سامنے ہیں۔ اسی سے ثابت ہوگا کہ آپ کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے۔ کوئی واقعہ زیرِ پردہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے، اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے، نیز ایسی ہی زندگی

جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں۔ انسان کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل و اسیریا، ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے
بڑے تمدن پیدا ہو خلاق کے بڑے بڑے نظریئے قائم کئے گئے،
تہذیب و شائستگی ے بڑے اصول بنائے گئے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے
ملنے جلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے ....
شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مسرت، دعوت و ملاقات، مصافحہ و سلام، غسل و
طہارت، عیادت و تعزیت، تبریک و تہنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم
آداب، شرائط، اور ہدایات مرتب ہوئے اور ان سے ان قوموں کی تہذیب، تمدن
اور معاشرت کے اصول بنائے گئے۔ یہ اصول صدہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے
صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ فنا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ تمدن چند
برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا، اور ۱۴ سو برس سے کل روئے زمین کی سیکڑوں
مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے، اور وہ
محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی ہے، اس زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں
سجائیں، اور ان کا عکس تابعین نے اتارا، اور اس طرح وہ تمام
دنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی،
صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا، وہ تمدن
آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں، اور اسی پر کل مسلمان چل
رہے ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تھی۔ جو تمام صحابہؓ کی زندگی بن گئی، اور وہی کبھی دنیائے
اسلام کی زندگی بن گئی، اور وہ کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے، افریقہ یا ہندوستان کا
کوئی قبیلہ جب آج عیسائی ہوتا ہے۔ تو اس کو مذہب گو انجیل سے لیکن تمدن و تہذیب اور
عملی زندگی کا سبق یورپ کے ساختہ تمدن سے سکھایا جاتا ہے۔ لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس

کو جہاں سے مذہب ملتا ہے، وہیں سے تمدن، تہذیب اور شائستگی کا سبق بھی ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی، انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے، اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا، کہ "تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، اور معمولی باتیں بھی سکھاتا ہے"، انہوں نے فخراً کہا کہ "ہاں ہمارا پیغمبر ہمکو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدست کی بھی تعلیم دی ہے۔ اور آج بھی ہم اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گویا سیرت محمدیؐ دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر، اور اپنے رسولؐ کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی، اور نہ اس کی اس کو ضرورت ہے سیرت محمدیؐ دنیائے اسلامی کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں۔ اس لئے تمام انسانوں کے لئے یہی ایک کامل نمونہ ہے، اور ایسی ہی کامل اور بے پردہ زندگی، انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

۵

جامعیّت

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

حضرات! خدا کی محبت کا اہل، اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، اُن پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسّمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے، اور اس عملی مجسّمہ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں کتاب اور سنت، کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں، جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام علیہ السلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گذرے یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورتِ الفاظ ہے، الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیلِ روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنتِ نبوی ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے

باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ، یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضرور ہے، اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں، اور دوست و احباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی، غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے، اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے، اس کے صاف معنی یہ ہیں۔ کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے، اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں ایک حاکم کے لئے محکوم کی زندگی، اور ایک محکوم کے لئے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کے لئے غریب کی زندگی، اور ایک غریب کے لئے دولتمند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت ہے۔ کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف نحوں کے مختلف افعال کی ہے، ہم چلتے پھرتے بھی ہیں اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں

سوتے جاگتے بھی۔ ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں، اُتارتے بھی، نہاتے بھی ہیں، دھوتے بھی لیتے بھی ہیں دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں، سکھاتے بھی مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں۔ اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں، اور بچاتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں، اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں۔ اور میزبان بھی، ہمکو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عملی نمونوں کی ضرورت ہے۔ جو ہمکو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق، اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے، وہ افعال ہیں، جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں۔ کبھی ناراض کبھی خوش ہیں۔ کبھی غمزدہ کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالامال، کبھی ناکام ہوتے ہیں، اور کبھی کامیاب۔ ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ کا تمامتر انحصار انہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے ان سب کے لئے ہمکو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو انہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گذر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل۔ رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز

بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلعم کے پاس! حضرت موسیٰؑ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے۔ مگر نرم اخلاق کا نہیں! حضرت عیسیٰؑ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلامؐ کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر، اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے اگر دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بیکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبیؐ کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے

دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو، تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو! اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈھو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر وغریب برابر تھے۔

اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلعم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اسلئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ کی سیرت ہے اس کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسےٰ اور عیسےٰ، علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرامؑ کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار دمارکٹ ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبگار کیلئے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم نور اسلام نام ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے، کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں، انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کے مقابلہ میں عیسیٰؑ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو، انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھکو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں، جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یک جا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو۔ اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں۔ اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولھا نہ جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گذر جاتے ہیں۔ سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو۔ اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جان نثاروں کی ہم رکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتا ہو۔ شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔ بانعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر

بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو اس کو فکر ہو .... ہو سب سے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو۔ اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا۔ اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا، اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا۔ عین اسوقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکا ہوتا ہو، وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہوجاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہِ عرب کہکر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس دن جب عرب کے اطراف سے آکر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہورہی ہے۔ عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بنکر بھیجے جارہے ہیں۔ فاطمہؓ بنت رسول اللہ جاکر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے عین اس وقت جب آدھا عرب اسکے زیر نگیں ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر اُدھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ایک کھری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں

ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرورِ کائناتؐ کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہؐ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں ارشاد ہوتا ہے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں، اور ہم آخرت کی سعادت؟

ابو سفیانؓ جو آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں، رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آرہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں، ابو سفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا، ابو سفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس، مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضورؐ کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتہ مدینہ کی ایک غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضورؐ سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز، یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے

سے پردہ ہٹ جاتا ہے، اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں، اور محمد رسول اللہ کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا، وہ محض شاعرانہ انشاپردازی نہیں - بلکہ تاریخی واقعات ہیں۔ ایسی کامل وجامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، جو غیظ وغضب اور رحم و کرم جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی و رقیق القلبی خانہ داری اور خدا دانی، دنیا اور دین دونوں کے لئے ہمکو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کرے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے، اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو و درگذر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں۔ بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں، اس لئے جس ہستی میں صرف یہی ایک پہلو ہو وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے، لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں۔ یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں ایک انسان میں دیکھو تو غصہ اور کرم، محبت اور عداوت، خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو، ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں، اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو

متعین کردے، جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم و کرم اور عفو و درگذر پر مبنی ہیں، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحب تاج و تخت پیدا ہوئے، اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں۔ مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا؟ پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کے لئے نمونہ نہ ہو وہ کیونکہ جامع کہی جا سکتی ہے؟

حضرت نوحؑ کی زندگی، کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے، حضرت عیسیٰؑ کی لائف صرف خاکساری تواضع اعفو و درگذر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے حضرت یوسفؑ کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش، دعا و زاری کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ، سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سماگئی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم کی

پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد صلعم کو ملکوں ملکوں پھراؤ۔ اور سمندر کی تہوں میں لیجاؤ کہ تمام دنیا اُن کے نام و نشان کو پہچان لے، جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ۔ ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسےٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دامنی، اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو" جن علماء نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ ان کا منشا درحقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفتِ جامعیت کو نمایاں کریں۔ کہ جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا۔ وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلعم کو عنایت ہوا۔

آنحضرت صلعم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو، یہ جامعیت کی صفت کاملہ پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی، مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو، تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے۔ کوہ حرا کے غار نشین اور کوہِ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسےٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں، اور آنحضرت صلعم کی بند، حضرت موسےٰؑ باہر دیکھ رہے تھے، اور آنحضرت صلعم اندر، کوہ زیتون پر وعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰ) اور صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش! کہکر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار، اور موابیوں اور عمونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسےٰؑ) میں کس قدر مماثلت ہے

آنحضرت صلعم نے مکہ کے سات ماسرداروں کے حق میں بددعا کی، تو آپ کی زندگی حضرت موسےٰ کے تمثل تھی، جب انہوں نے الٰہی فرعونیوں پر بددعا کی، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی، تو اس وقت گویا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں تھے جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہا۔ جب محمد رسول اللہ صلعم کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو۔ تو حضرت موسےٰ کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے، لیکن جب آپ کو مکانوں کے حجروں میں پہاڑوں کے غاروں میں، رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰ کا جلوہ نظر آئے گا۔ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤدؑ کا تم کو دھوکا ہوگا۔ فتح مکہ کے خدم و حشم اور بیرق و علم کے سایہ میں آپ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمانؑ کا مغالطہ ہوگا۔ اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسفؑ کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰؑ قانون سے کر آئے، حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لیکر اور حضرت عیسیٰؑ زہد و اخلاق لیکر، مگر محمد رسول اللہ صلعم قانون بھی لائے دعا و مناجات بھی، اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں قرآن اور

عمل میں سیرتِ محمدیؐ ہے۔

دوستو! اب سیرتِ محمدیؐ کی جامعیت کا ایک اور پہلو تم کو دکھاؤں، دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے۔ اور ہر فن کیلئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینرنگ کالج ہے، ایک آرٹ اسکول ہے ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درس گاہ ہے ایک فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کرسکتی ہے میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان تیار ہونگے، تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے، علم و فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل فن اُٹھیں گے۔ لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشاپردانہ اور ادیب نکلیں گے۔ ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا ہے اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی زراعت اور انجینرنگ کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی، طلبہ مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون دان، کاروبار کے تاجر اور مہندس، شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر، میتیوں اور

صنعتوں کے واقفکار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان سب کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچتی ہے، اور پہنچ سکتی ہے، اگر صرف ایک علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے اور انسانی کاروبار کا نظم درہم برہم ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تمام دنیا صرف اہل پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں، بقول حضرت مسیح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، درسگاہیں اپنے معنوی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں، تعلیم انسانی کی اُن درسگاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں، جائزہ لو، تو پہلے تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دو سو، کہیں ہزار دو ہزار، کہیں پندرہ بیس ہزار طالب العلم آپ کو ملیں گے، لیکن جب مدرسۂ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھو گے تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب العلم بیک وقت نظر آئیں گے، پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں کے تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور ان کے اخلاق و عادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو تم کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا، مگر محمد رسول اللہ صلعم کی درسگاہ میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب العلم کا نام و نشان، حالات و سوانح، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے، آگے بڑھو، نبوت اور دعوت مذہب کی

ہر ایک درسگاہ کا آج یہ دعویٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ مگر اس درسگاہ کے بانی اور معلم اوّل کی سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان کے طالب العلم اس میں داخل ہوئے، اور اُن کو داخلہ کی اجازت دی گئی، یا ان کی دعوت میں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسل آدم کا ہر ایک فرزند اور ارض خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے لئے آواز دی گئی۔ تورات کے تمام انبیاء، ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے، یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے، محدود رہے اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو انہوں نے آواز نہیں دی، زیادہ تر انکی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب العلم کا وجود نہ تھا، وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے (متی باب ۷، آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دینے کو وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے، اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں نے اسکے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیرؤوں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آؤ ذرا عرب کے اس اُمّی معلم کی درسگاہ کا مطالعہ کریں، یہ کون طالب العلم ہیں؟ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ، علیؓ و عثمانؓ، طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب العلم ہیں، یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ، اور انیسؓ ہیں، یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں یہ کون ہیں؟

یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں، اور دوسرے قبیلوں کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہؓ ہیں، قبیلہ ازد کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ خباب ابن الارتؓ قبیلہ تمیم کے ہیں ..... یہ منقذ بنؓ حبان اور منذر بن عائذ ہیں عبد القیس کے قبیلہ کے ہیں، اور بحرین سے آئے ہیں، یہ عبیدؓ و جعفر عمان کے رئیس ہیں، یہ فردہؓ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں، یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں۔ ملک حبش والے، یہ کون ہیں؟ یہ صہیب رومیؓ کہلاتے ہیں یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمانؓ فارسی ہیں، یہ فیروز دیلمی ہیں، یہ سیخبتؓ اور مرکبودؓ ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں، اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں اس دلخواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصر روم کی بارگاہ میں، عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حاطب بن بلتعہؓ مقوقس عزیز مصر کے یہاں۔ عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بنؓ وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بنؓ عمرو روسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں۔ کہ محمدؐ کی درس گاہ میں داخلہ کا اذنِ عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے "درس گاہِ محمدی" کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ

کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں، اور تمام زبانوں کے لیے عام تھی۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

اب آؤ اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں، کیا یہ وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے، یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درس گاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم گاہ کو دیکھو، وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشعؑ جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے طالب العلموں کو تلاش کرو، چند نا درپیشہ فقرا، فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے مگر محمد رسول اللہ صلعم کے ہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحمہؓ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس ذو الکلاع حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلۂ ہمدان کا رئیس۔ فیروزؓ دیلمی اور مرکبود یمن کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، دوسری طرف بلالؓ۔ یاسرؓ، صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ اور ابوفکیہہؓ کے سے غلام اور سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھو، امیر و غریب شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اس درس گاہ سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ ہیں، عمر فاروقؓ ہیں، عثمان غنیؓ ہیں، علی مرتضےؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندستان کی سرحد تک فرمانروائی کی۔ اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے

سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کردیتی ہے، ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کردیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جنکی مثال نہیں پیش کی جاسکتی،

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ ۔ ابو عبیدہؓ بن جراح ۔ عمروؓ ابن العاصؓ، پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں، اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں ۔ جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کردی ۔ عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین، وادی نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن ابی سرحؓ نے افریقیہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا، یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں جنکی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے، اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے ۔

تیسری طرف باذانؓ بن ساسان (یمن) خالدؓ بن سعید (صنعاء) مہاجرؓ بن امیہ (کندہ) زیادؓ بن لبید (حضرموت) عمرو بن حزم (نجران) یزید بن ابی سفیان (تیما) علاءؓ بن حضرمی (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی، اور خلق خدا کو آرام پہنچایا ۔

چوتھی طرف علماء اور فقہا کی صف ہے ۔ عمرؓ بن خطاب ۔ علی بن ابی طالبؓ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمروؓ

ابن العاص، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابت، ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے فقہ وقانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔ پانچویں صف عام ارباب روایت وتاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام ووقائع کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھوٹی جماعت اُن تنگ صحابہ (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، نہ بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں انکی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت وعبادت میں بسر کرتے تھے، ساتواں رُخ دیکھو، ابوذرؓ ہیں۔ جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لئے اٹھا رکھنا بھی شان توکل کے خلاف تھا۔ ان کو دربار رسالت نے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت کیا تھا۔ سلمان فارسیؓ ہیں، جو زہد وتقویٰ کی تصویر ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت وعبادت میں گذارے، اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا۔ کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں، مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم وحریر کے کپڑے پہنتے اور ناز ونعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کیلئے پورا کپڑا تک نہ ملا پاؤں پر گھاس ڈالکر دفن ہوئے عثمان بن مظعون

ہیں اجو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں. محمد بن مسلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانے میں کہتے تھے۔ کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لیکر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا۔ ابو درداؓ ہیں۔ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گذرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھو: یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں۔ سعد بن عبادہؓ ہیں، اسیدؓ بن حضیر ہیں، اسعد بن زرارہؓ ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں، کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں۔ اور عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کیے گئے۔ سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ ابو جہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے۔ حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی۔ حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی۔ حرام بن ملحان اور ان کے ستر رفقاؓ نے بیر معونہ پر عصیہ رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا۔ واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ سنہ ۷ھ میں ابن ابیؓ العوجاء کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے

دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے، لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے۔ اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں۔ جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا، اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں، اور جب پوچھا گیا تو وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا، شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی یعنی سعد ابن ابی وقاصؓ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا ٹکڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے، ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا، یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے انہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے، بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، ان کے گلے میں رسی باندھی جاتی، اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا، ابو فکیہہؓ کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا، ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی۔ عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے۔ حضرت زبیرؓ کو اُن کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا۔ سعید بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر مارا یہ سب

کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا، وہ اترتا نہ تھا، یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقیِ کوثر کے خمخانہ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا! ایک اُمّی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور متقن کیونکر بنا گئی! ایک نہتے پیغمبر کا ولولہ تبلیغ کس بے بس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا، جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گزار کیونکر ہو گئے۔ تم نے درسگاہِ محمدیؐ یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب العلم دیکھے، عالم بھی دیکھے، متقن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے قاضی عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے —— راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی ذات، انسانی کمالات اور صفات تھے کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضےٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں۔ کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفر طیارؓ ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابو ذرؓ اور سلمانؓ اور ابو دردا ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں۔ کبھی ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم دین کی درسگاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کی

امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں، گویا محمد رسول اللہ صلعم کا وجود مبارک آفتاب عالمتاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے، یا ابر باراں تھا، جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا، اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا۔ اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول، اور پتے جم رہے تھے، اور اگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، اُستاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی روح، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ، اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا:—

...... مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی، اور حق کی ترقی تھی، اور اس کے سوا کوئی چیز انکے پیش نظر نہ تھی،

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلعم کی صفت جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں، اگر تم مطالعہ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو،

کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی جامع شخصیت کے سوا اسکا کوئی آخری اور دائمی امم عالمگیر رہنما نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اعلان فرمایا اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط "اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو" اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو! اگر دولتمند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بیکس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

۶

(عملی پہلو یا عملیت)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحبو! محمد رسول اللہ کی پیروی کن چیزوں میں اور کیونکر کرنی چاہیئے اس کے لئے آج ہم کو سیرۃ نبوی علی صاحبہا السلام کا عملی پہلو دکھانا ہے، یہ انبیائے کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ، دلچسپ تصویریں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، موثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل کام اور آپ نے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خلق یا اخلاق ہے قرآن کے سوا اور کس مذہب

کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ، (اے محمدؐ) بیشک تیری مزدوری نہ ختم ہونیوالی ہے

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ، (قلم) اور بیشک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑے میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں آپ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں، کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا، کہ کا اُمّی معلّم صلعم پکار کر کہتا تھا۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں؛

اور اس اعلان کا اُس کو حق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا تھا، اس کو کر کے دکھا دیتا تھا کوہ زیتون کے واعظ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) اور کوہ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرتاپا معمور، قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں، یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب، کمزور

کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا ہے لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی ہے لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا ہے لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا۔ لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے

قرآن پاک گواہی دیتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران - ۱۷)

پس خدا کی عنایت سے تم ان کے لئے نرم ہو (اے محمد) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے ارد گرد سے پھٹ جاتے۔

یہ آنحضرت صلعم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے اور دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے، دوسری جگہ ارشاد ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ - ۱۶۰)

تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کے ان رحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا۔ کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف اور مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا، اور اپنی جہالت

گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے، اور نہ تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے، اپنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے، اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے، غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے، اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔

یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپ پر اتارا گیا۔ آپ نے خود اس کو کر کے بتایا، ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، اُن کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسن خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں۔ ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ اے ام المومنین حضور کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے ام المومنینؓ جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کَانَ خلق رسول اللہ صلعم القرآن آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابو داؤد) قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ کی سیرت اس کی عملی تفسیر تھا

انسان کے اخلاق، عادات، اور اعمال کی بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں

ہو سکتا، آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے، اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے، اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے آنحضرت صلعم جب نبوت کے بار گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں، کہ" یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑیگا، کیونکہ آپ، قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں (بخاری) غور کیجئے، یہ آپکی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ میں موجود تھیں۔

آنحضرت صلعم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہ رضؓ تھیں، حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ کی صحبت میں رہیں، وہ گواہی دیتی کہ حضور کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، آپ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کر دیتے تھے، آپ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے، آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا۔ آپ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے تھے وہ گواہی دیتے ہیں، کہ آپ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے۔

طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے
لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے
خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے، اور
نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے: واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا
کیا ہے یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دلشکنی نہیں کرتے تھے،
بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے، کہ آپ رؤف رحیم تھے۔"

حضرت علیؓ کہتے ہیں، کہ "آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت
نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے۔ آپ کو پہلی دفعہ
جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے
لگتا۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مؤرخ گبن نے
ظاہر کئے ہیں،

آنحضرت صلعم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہ رضؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ
حضرت ہند رضؓ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ "آپ کی طبیعت میں
نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی
بات نہیں کہتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ کسی چیز کو برا
نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے، آپ کو اپنے ذاتی معاملہ
میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دشمنی
گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرفداری میں آپ کو
غصہ آجاتا تھا، اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے۔" (شمائل)

یہ آپ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ سے بہت نزدیک اور آپ سے

بہت زیادہ واقف تھے، اس سے یہ معلوم ہوگا، کہ آپ کی سیرت مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی۔

آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیرووں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کرکے دکھایا۔

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبانِ مبارک پر جاری رہتی تھی، آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبانِ فیض اثر سے ادا ہوئیں، حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت، اور خشیت نمایاں ہے، اور جن سے ہر وقت زبانِ اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے،

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ، | جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں۔

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ آپ ہر وقت اور ہر لحظہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا، عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے، طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشا، پھر تہجد، پھر صبح، عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں۔ گویا کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں مگر آنحضرت صلعم ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی۔ مگر آنحضرت صلعم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں، اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے۔ پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے "اے عائشہؓ! کیا میں خدا کا شکرگذار بندہ نہ بنوں"، یعنی یہ نماز خشیتہ الہی سے نہیں، بلکہ محبتِ الہی اس کا منشا ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے۔ کفار آپ کے سخت دشمن تھے۔ مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا، مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے۔ سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں۔ تیر و خنجر چلتے ہوتے، لیکن ادھر نماز کا وقت آیا، اور ادھر صفیں درست ہو گئیں، بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذاتِ اقدس خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی، اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت

کی نماز قضا ہوئی، ایک تو غزوۂ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے، تو آپ نے بعد کو نماز قضا ادا کی، اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا بہت تکلیف تھی۔ مگر نماز، حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، قوت جواب دے چکی تھی۔ مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، وفات سے تین دن پہلے جب آپ نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی۔ اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی۔ اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا خدا کی عبادت گذاری اور یاد کا عملی نمونہ۔

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس۳۰ دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے، آپ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر خود آپ کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کبھی دو دو تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیئے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے، اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منھ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے، تو فرماتے "تم میں سے کون میرے مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے" سال میں دو۲ مہینے شعبان اور رمضان پورے کے پورے روزے میں گذرتے ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) میں اکثر روزے رکھتے، محرم کے دس دن اور شوال کے ۶ دن روزوں میں گذرتے، ہفتہ میں دو شنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

"یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشۂ زندگی،

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا، تو پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا، حضرت خدیجہؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! آپ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں۔ غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں" گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولتمندوں پر بند کیا، بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ، مگر خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہوگیا، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی۔ مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا، وہی فقر وفاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہراتؓ کو غلّہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلّہ تمام ہو جاتا تھا، کیونکہ غلّہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کے نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی۔ مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے، لوگوں کو عام حکم تھا کہ "جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا۔ اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو۔ اسکے حقدار اس وارث ہونگے" ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا، "اے محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے۔ اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ میرے اونٹ کو لادے" آپ نے اس کے اونٹ کو جو

اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ اور اس کے کہنے کا بُرا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو خدا ہے "حضرت ابوذر رضہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہا تھا۔ راہ میں آپ نے فرمایا، ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کرونگا، کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔

دوستو! یہ محمد رسول اللہ صلعم کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے! بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا۔ اور اسی پہ آپ کا عمل تھا۔ بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لاکھوں خزانہ آیا۔ فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے! صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا! نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہوگیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو دامن مبارک پہ پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پہ غلہ لدکر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا۔ کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلال رضہ سے دریافت کیا کہ کچھ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں، اس لئے کچھ بچ رہا ہے۔ فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا، چنانچہ رات مسجد میں بسر کی۔ صبح کو حضرت بلال رضہ نے آکر بشارت دی کہ "یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہوگیا! آپ نے خدا کا شکر کیا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آئے۔

لوگوں کو تعجب ہوا۔ فرمایا، مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے۔ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک دفعہ آپ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے۔ میں نے سبب دریافت کیا، فرمایا ام سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ مرض الموت میں ہیں بیماری کی سخت تکلیف ہے۔ نہایت ہی بے چینی ہے، لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ، انھیں خیرات کردو۔ کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا، کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال،

آپ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپ کا طرزِ عمل کیا تھا، سن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے۔ مگر امیرِ عرب کے گھر میں وہی فقر تھا، اور وہی فاقہ تھا، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا، اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ، فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک جھونپڑا تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی۔ بلکہ یہی آپ کی طرزِ زندگی کا عملی نقشہ تھا، رہنے

کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آپ کا کپڑا کبھی تہ کرکے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا۔ جو تہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمتِ اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازواج مطہراتؓ کے پاس کہلا بھیجا، کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے" ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں، اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے، آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آجاتی تھی، ایک دن دولتخانہ سے نکلے تو بھوکے تھے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے، اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنینؑ علیہما السلام سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عربؐ نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی، ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا۔ تو فرمایا، اے فاطمہؓ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے

ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ رض نے سونے کے کنگن پہنے تو اتروا دیئے۔ کہ محمد کی بیوی کو یہ زیبا نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زادِ راہ"! یہ قول تھا، اور عمل یہ تھا۔ کہ ایک دفعہ کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے۔ اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھری چارپائی۔ سرہانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ کا عمل،

دوستو! ایثار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا۔ مگر کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفۂ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہ رض سے آپ کو جو محبت تھی، وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہ رض کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ عالم تھا۔ کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے ایک دن

اُنہوں نے حاضر ہو کر، پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔
ارشاد ہوا: اے فاطمہؓ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے
تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو، دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا:
فاطمہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے" ایک دفعہ آپ کے پاس
چادر نہ تھی، ایک صحابیہؓ نے لا کر پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا
کیسی اچھی چادر ہے آپ نے فوراً اتار کر ان کے نذر کر دی، ایک صحابیؓ
کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ تھا، ان سے کہا عائشہؓ کے
پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ
آپ کے گھر میں آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک
دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے
اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ
ہوا کوئی اور چیز طلب کی۔ تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، پھر پیالہ میں دودھ آیا۔
مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔

(یہ تھا ایثار، اور اس پر عمل،)

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہ صلعم میں دیکھو،
حکم تھا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ، جس طرح اولو العزم پیغمبروں
نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھا، آپ نے وہی کر کے دکھا دیا۔ آپ ایک ایسی
جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی
نہیں سن سکتی تھی، اور اس کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اس کی کبھی
پروا نہ کی، عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے، اور وہاں سب کے سامنے نماز
ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپ نکے

سامنے کھڑے ہوکر رکوع و سجود کرتے تھے، جب آیت فاصدع بما تؤمر (اے محمدؐ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سنا دو) نازل ہوئی، تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر تمام قریش کو پکارا، اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا۔

قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں۔ جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے۔ مگر آپ کے قدم کو راہ حق سے لغزش نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ ابو طالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھدیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤنگا۔ آخر آپ کو بنی ہاشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا۔ اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا، مگر صبر و استقلال کا سر رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔ کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار و مددگار ہستے محمد صلعم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے ابو بکرؓ گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم دو ہی ہیں۔ لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے، ابو بکرؓ ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، گھبراؤ نہیں، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ

کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم پکڑے گئے۔ مگر وہاں محمد رسول اللہ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں۔ اور دل کی سکینت کا وہی عالم ہے۔

مدینہ پہنچکر یہود کا منافقین کا اور قریش کے غارتگروں کا ڈر تھا۔ لوگ آنحضرت صلعم کے مسکن کا راتوں کو پہرا دیتے تھے۔ کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ یعنی خدا تجھکو لوگوں سے بچائے گا۔ اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو واپس جاؤ، مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے۔

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں۔ صحابہؓ اِدھر اُدھر بٹ گئے۔ ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے۔ آپ بیدار ہوتے ہیں۔ موقع کی نزاکت کو دیکھو۔ بدو پوچھتا ہے۔ بتاؤ اے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے۔ کہ اللّٰہ! اس پر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے۔ اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔

بدر کا معرکہ ہے۔ تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کون ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہے۔ کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے۔ اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھتے ہیں۔ کہ خداوند! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحہ عالم سے مٹ گئی۔ تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

ایسے موقعے بھی آئے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔ مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی ......

جگہ پر قائم رہا۔ احد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لئے، مگر محمد رسول اللہ اپنی جگہ پہ ڈٹے پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں دھنس گئی تھیں، دندان مبارک شہید ہو چکا تھا، چہرۂ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ خدا ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا، کیونکہ اسی کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا، حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینھ برسا، تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے، مگر ذاتِ اقدسؐ اپنی جگہ پر تھی، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی، اور ادھر سے انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب (میں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اتر آئے، اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے، جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی ہی غیر مسلح ہو، وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر، آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ تھی اس راہ میں آپ کی عملی مثال!

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی، آؤ مدینہ کی سرکار میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بیکسی اور معذوری عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے ہجرت

کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمد کا سر قلم کر لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا اڑاتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضور دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو نفسی، یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضور کو آواز دیتا ہے اور خطِ امان کی درخواست کرتا ہے، کہ جب حضور کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے بازپرس نہ ہو آپ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالہ کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپ اُس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اُس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو۔

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا، جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرورِ عالم کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے، تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے، مگر رحمتِ عالم کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمد رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضور نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امنا" جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے"

ہند ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ

گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضور کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے، ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے، کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضور پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں، اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا، عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے، "اے محمدؐ! آج سے پہلے تمھارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن آج تمھارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔"

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے، اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی، لوگ کہتے ہیں وحشی تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں۔ تمھارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے، وحشی حاضر ہو جاتا ہے، حضور دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں! قاتل سامنے موجود ہے۔ مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے، وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،

عکرمہؓ، اسلام، مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلعم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے، جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے، مکہ جب فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، وہ بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں،

اور محمد رسول اللہ کو پہچان چکی تھیں، وہ خود بن گئیں، عکرمہؓ کو تسکین دی، اور ان کو لے کر مدینہ آئیں، حضور کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو ان کے خیر مقدم کے لیے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پہ چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں مرحبا بالراکب المہاجر اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک ہو، غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی جا رہی ہے۔ یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالت نماز آپ پر حملہ کرنا چاہا، جس نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی جس نے دارالندوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا، اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اسی کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے، لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے، اور کہتا ہے یا رسول اللہ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا، لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے،

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام

تمام کر دے، کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپ کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے،

صفوان بن اُمیّہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا، اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمھارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدّہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے، وہی عمیر خدمت نبوی میں آکر عرض کرتے ہیں، کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے، ارشاد ہوتا ہے "اس کو امان ہے" عمیر دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے، آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دیدیتے ہیں، عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے "مجھے محمدؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے"۔ وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں: "اے صفوان! ابھی تم کو محمد کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے"۔ صفوان آستانۂ نبوی پر حاضر ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، سچ ہے، لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کرونگا۔ مجھے دو مہینے کی مہلت دو، آپ فرماتے ہیں۔ تمھیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت ختم بھی نہیں ہونے پاتی کہ دفعتہً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے، اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

آپ خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ لڑائیاں ہوتی ہیں

شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلاپس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے لیکن رحمتِ عالمؐ کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا،

غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہؓ ادھر ادھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ کی تلوار اتارتا ہے، پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے۔ محمدؐ! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟" ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے کہ "اللہ!" اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہؓ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے لئے آپ کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوہ مکہ میں اسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا، جو جبلِ تنعیم سے اتر کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا، آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو،

دوستو! طائف کو جانتے ہو؟ وہ طائف جس نے مکہ کے عہد ستم میں آپ کو

پناہ نہیں دی جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپ سے استہزاء کیا، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور دورویہ کھڑے ہو گئے اور جب آپ بیچ سے گذرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے، دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے، جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، آنحضرت صلعم کو اسی دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ایک دن دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ! تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون آیا، تو آپ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا، ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بددعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ مگر کیا فرماتے ہیں، خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا، دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے۔ وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے، آپ کو زخمی کیا تھا، اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا،

احد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں آپ نرغۂ اعداء میں ہیں آپ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں:" وہ قوم

کیسے نجات پائے گی، جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے، خداوندا! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے۔" یہ ہے "تو اپنے دشمن کو پیار کر" کے زریں وعظ پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں، بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔

وہی ابن عبد یا لیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلعم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں۔ ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں، اور اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں! کس کو؟ اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے، اور آپ کو ذلیل کیا تھا، یہ ہے "تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر"

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں جہاں آپ کو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجو میں کہا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، آپ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے اور ان کے دل وجگر کے ٹکڑے کئے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بیکس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے

ان کے بدن کو چھیدتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے، پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں، دفعتہً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے، قریش! بتاؤ میں آج تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں! جواب ملتا ہے "محمد تو ہمارا شریف بھائی، اور شریف بھتیجا ہے" ارشاد ہوتا ہے آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا۔ کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، اذهبوا فانتم الطلقاء جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا، اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے، جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں، اور بار بار انہی کو دہراتے ہیں، کہ ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

تركت فيكم الثقلين كتاب الله وسنتي،	میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ جاتا ہوں خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ،

یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے، اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (لوگو!) تمہارے لئے خدا کے رسول کی زندگی میں بہتر پیروی ہے،

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بناکر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے، کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے، طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے۔ صلّوا کما رأیتمونی "تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے، خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے، اور میں اپنی بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں" آخری حج کا موقع ہے۔ شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جارہا ہے، عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جارہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کیجارہی ہے، فرمایا،

آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کردیئے گئے، یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کردو، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔"

"جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں۔"

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے، ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے، اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں، محمد صلعم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند متبنیٰ بنایا، عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کر دے لیکن آپ نے جب یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے" تو اس تعلیم نے دفعۃً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی یہ مثال خود آپ نے پیش کی، اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیاہا۔ منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا۔ تو سب سے پہلے زید بن محمد، زید بن حارثہ کہلائے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اس لئے اس کا

توڑنا ضرور تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لئے عملی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام تھا، پیغمبر عرب نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئی، اور تبنّی کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی،

واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے، اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے،

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو، کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے،

حاضرین چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظ شاعرانہ پیرایہ میں اپنے "خداوند کی ربانی محبت اور الٰہی عشق" کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انہی کے مقولہ کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"، اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا، عرب کے دلِ بیدارِ محبّت کی سیرت پڑھو، راتیں گذرتی ہیں، دنیا سوتی ہے، اور اس کی آنکھیں جاگتی، ہاتھ خدا کے آگے پھیلے ہیں، زبان ترانہ حمد گا رہی ہے، دل پہلو میں بیتاب تڑپ رہا ہے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ؟

حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھتے ہیں، تو بے تابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ایلی ایلی لما سبقتنی، "اے میرے خداوند! اے میرے خداوند! تو نے مجھکو کیوں چھوڑ دیا؟" لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں۔ اور زندگی

کی آخری سانسیں بیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے، اللھم الرفیق الاعلیٰ، اے میرے خداوند! اے میرے بہترین ساتھی! ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ، عشق کی چاشنی، اور ربانی سکینت کا لطف ہے،

(اللھم صل علیہ وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین ؕ)

۷

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام

حضرات! میں نے پچھلے چھ لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں۔ اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے، اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم ہی عالمگیر اور دائمی نمونہ ہیں، تو سوال ہوتا ہے، کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے؟ اور کیا پیغام دے کر دنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزا ہیں، جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخر الزمان کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاء کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے، اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے، وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آیا کئے، اور وقتی تھے، اور اس لئے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، ان کی اصل برباد ہوگئی، مدتوں کے بعد مرتب کئے گئے اور ان میں

تحریفیں کی گئیں، اُن کے ترجموں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا، ان کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کیئے گئے، اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا، اگر خدا کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی ان کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا ثبوت ہے، مگر جو پیغام محمدؐ رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا وہ عالمگیر اور دائمی ہو کر آیا، اسی لئے وہ جب سے آیا، اب تک پوری طرح محفوظ ہے، اور رہیگا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گذشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی، اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں۔ دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے، ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے، اور جو موجود ہیں ان کی ایک ایک آیت تلاش کر لو، ان کی تکمیل اور اُن کی حفاظت کے وعدہ کے متعلق ایک حرف نہ پاؤگے، بلکہ اس کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور تصریحیں ملیں گی،

حضرت موسیٰؑ کہتے ہیں کہ، خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو،" (استثنا ۱۸/۱۵) میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، جو کچھ میں اس سے کہونگا وہ سب ان سے کہیگا۔" (استثنا ۱۸۔ ۱۹) "یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت ہوگی۔" (استثنا ۳۳۔ ۲)

ان اوپر کی آیتوں میں توراۃ یہ صاف بتارہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰؑ کے مثل

آنے والا ہے، جو اپنے ساتھ ایک آتشین شریعت بھی لائے گا، اور اس کے منہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا۔" اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا پیغام آخری اور دائمی نہ تھا،

اس کے بعد اشعیاء نبی ایک اور رسول کی خوشخبری سناتے ہیں، "جن کی شریعت کی راہ دریائی ممالک اور جزیرے تک رہے ہیں" (باب ۴۲) ملاخیہ میں ہے "دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجونگا۔ بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں بھی آئندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا،

انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے،

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کرونگا کہ وہ تمھیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے گا" (یوحنا ۱۴-۱۶)

"لیکن وہ فارقلیط روح القدس ہے، جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا، وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں، تمھیں یاد دلائے گا، (یوحنا ۱۴-۲۶)

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی، تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی، بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی"

(یوحنا ۱۶-۸)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں، اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کرے گا، مگر محمدؐ کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا، جو نیا پیغام سنائے گا، یا محمدؐ

کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دور کرکے وہ اس کو کامل کریگا، بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ، (مائدہ-۱)

آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر پوری کردی اپنی نعمت،

اور بتایا کہ محمدؐ خاتم الانبیا (یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے) ہیں، وخاتم النبیین خود قرآن نے کہا ہے۔ اور ختم بی النبیون (اور میری ذات سے انبیا ختم کئے گئے) حدیث نے کہا ہے (مسلم باب المساجد) الا لانبی بعدی (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،) متعدد حدیثوں میں ہے، آپ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں" قرآن نے اپنے صحیفہ کی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغامبر کے لیئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ دنیا میں آیا، خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے اور اسی لئے (اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن) کے وعدے سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے،

دوستو! اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الٰہی بھی عالمگیر ہوکر آیا، بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے، خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اسی لئے بنی اسرائیل کے انبیا اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے تمام صحیفوں میں صرف انہی کو خطاب کیا گیا ہے، اور ان کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا پیغام

بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا، اور غیر اسرائیلی کو اپنا پیغام سنا کر بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی۔" ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے، کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا شودر ہے، اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شبد شودر کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے،

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ، سب کے لئے عام ہے، جس طرح اس کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "تمام دنیا کا پروردگار ہے"؛ اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام دنیا کے لئے رحمت ہے۔ اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کے لئے پیغام ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ، (انعام ۱۰) — نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا، الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، (فرقان۔ ع ۱) — برکت والا ہے، وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرنے والا ہو وہ (خدا) کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی،

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں تک آپ کی پیغامبری کی وسعت ہے، سورۂ اعراف میں ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ — کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، | اور زمین کی سلطنت ہے،

دیکھو اس میں بھی پیغام محمدی کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے، اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اس کے دائرے میں ہے،

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ، (انعام)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس سے میں تم کو ہشیار کردوں اور جس تک یہ پہنچے اس کو ہشیار کروں،

اور بالآخر:-

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو (اے محمدؐ) لیکن تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، مجھ سے پہلے تمام انبیاؑ صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں" یہ ہمارے دعویٰ کا مزید ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہماری تائید میں ہے، الغرض کہنا یہ ہے کہ پیغام محمدی بھی اسی طرح کامل دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس طرح اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل دائمی اور عالمگیر ہے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل و دائمی و عالمگیر کا آخری، دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے، جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی، اور ہمیشہ کے لئے خدا کے دین کو

مکمل اور خدا کی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے دو جز ہیں، ایک کا تعلق انسان کے دل سے، اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے، پہلے کو **ایمان** اور دوسرے کو **عمل** کہتے ہیں، عمل کے تین حصے ہیں، ایک خدا سے متعلق ہے جس کو **عبادات** کہتے ہیں۔ دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو **معاملات** کہتے ہیں، اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے، تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجاآوری سے ہے، اس کو اخلاق کہتے ہیں، غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق مذہب کے یہی چار جز ہیں، اور یہ چاروں جز پیغام محمدی کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔

توراۃ اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل ناصاف، اور غیر واضح ہے، اس میں خدا کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معرا، خدا کے صفات جو اصل میں روح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں، اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ نہ توراۃ میں ہیں، اور نہ انجیل میں، توحید کے بعد رسالت ہے، رسالت اور نبوت کی حقیقت وحی الہام و مکالمہ کی تشریح انبیائے کرام کی حیثیت انسانی انبیاء کا ہر قوم میں مبعوث ہونا، انبیاء کے فرائض انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیے۔ انبیاء کی معصومیت ان تمام مسائل سے پیغام محمدی سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و نشر، قیامت و حیات۔ آخرت، توراۃ میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں، انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں۔ ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں، اور بس! لیکن پیغام محمدی میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے،

فرشتوں کا تخیل توراۃ میں بھی ہے، مگر بالکل نا صاف، کبھی کبھی خدائے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراۃ میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے، یا فرشتوں کا، انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں۔ وہاں روح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا، یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں، اور خدا بھی، لیکن پیغام محمدیؐ میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے، اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے، ان کے کام بتا دیئے گئے ہیں، خدا سے، پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے،

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدیؐ نے کی ہے، اب آیئے عملیات کا امتحان لیں، عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے، روزہ دن کا بھی ذکر آیا ہے۔ دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بیت اللہ کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی، اور وہ ان کے انکار کی طرف مائل ہیں، پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے، اور نہ ان کے طریقے، اور آداب بتائے گئے ہیں، نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے، اور نہ خدا کی یاد، اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے نہ کوئی دعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں بکثرت ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں، انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے، ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے۔ اس کو روزہ کہہ لو، یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں

رکھتے" سولی والی رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے، اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے، مگر اور عبادات کا وہاں نشان نہیں، لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ، حج، ان کے آداب و شرائط عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں، اور موثر دعائیں نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام، اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری، دعا، مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں، جو دل کی گرہیں کھولتی ہیں، جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں، جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں۔

عمل کا دوسرا حصہ **معاملات** یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا ہے، یہ حصہ حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور پیغام محمدیؐ نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے، اور ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے، اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزا کی ضرورت تھی، ان کا اضافہ کیا ہے، زبور اور انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر، مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی تھا، اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لینی پڑیں۔ پیغام محمدیؐ نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا، اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بنائے جن سے

دقتاً فوقتاً ائمۂ مجتہدین اور علماء نئی ضرورتوں کے لئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں، اور کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی، اور سینکڑوں متمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں، ان سب کا اسی قانون پر عملدرآمد رہا۔ اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

عمل کا تیسرا حصہ اخلاق ہے، توراۃ میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں جنہیں سنئے، والدین کی فرمانبرداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی چھ محض سلبی تعلیمیں ہیں، تو خون مت کر، تو چوری نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ، تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر، ان میں سے چھٹا حکم جو تھے میں اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے۔ اس لئے چار ہی اخلاقی احکام رہ گئے،

انجیل میں بھی انہی احکام کو دہرایا گیا ہے، اور مجملاً دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے، جس کو توراۃ کے احکام پر ایک اضافہ کہہ سکتے لیکن پیغام محمدی نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ اصولی احکام متعین کئے جو معراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے، اور جو سورہ اسراء میں مذکور ہیں، ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق، اور ایک توحید کے متعلق ہے۔ گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں، اور پانچ ایجابی، اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے، ان کا حق ادا کر، یتیم سے اچھا برتاؤ کر، ناپ تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں، تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر،

تو ناحق کسی کی جان نہ لے، زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے پیچھے نہ چل، دشمن پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں، اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے، فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر، نفس انہی اصولی احکام کے مقابلہ سے واضح ہوا ہوگا کہ پیغام محمدی کیونکر تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے، اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے، بلکہ اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی، اور اس کا علاج بتایا ہے۔

یہ عمل کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے انجام پائی،

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم انکو **ایمان اور عملِ صالح** کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں، جو ہر قسم کے محمدی پیغام پر حاوی ہیں، اور قرآنِ پاک میں انہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار ہے یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک اور صالح ہو۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے، کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے، میں چاہتا تھا، کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھدوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں کی پوری تفصیل پیش کی جاسکے، اس لیے اس وقت پیغام محمدیؐ کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے، جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی، اور دین ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا، اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا، جن کی بنا پر انسانیت حد درجہ پستی اور

گمراہی میں تھی، اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں،

۱- ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقاتِ الٰہی میں انسانیت کا درجہ ہے۔ اور یہی توحید کی جڑ ہے اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقاتِ الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر، اونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دہکتی آگ ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتے سورج درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیانک صورتوں، غرض دنیا کی ہر اس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا، یا جس سے نفع کا خواہشمند تھا، پوجتا تھا، اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلعم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ "اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں، بلکہ تم ان کے آقا ہو، وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے وہ تمہارے آگے جھکی ہیں، تم کیوں ان کے آگے جھکتے ہو، اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے، تم اس کے زیر فرمان نہیں کئے گئے وہ تمہارے لئے ہے، تم اس کے لئے نہیں ہو،

اذقال ربك للملٰئكة اني جاعل في الارض خليفة (بقرہ۔۴)	(یاد کرو) جب تیرے خدا نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں اور اسی (خدا) نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔
وهو الذي جعلكم خلٰئف في الارض، (انعام۔۲۰)	

اسی نیابت اور خلافت نے آدمؑ اور اولادِ آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بزرگی بخشی، "ولقد كرمنا بني آدم"، اور ہم نے بہ تحقیق اور بلا شک و شبہ آدمؑ

کی اولاد کو بزرگ بنایا" اب کیا یہ بزرگ ہو کر اپنے سے پست تر اور حقیر تر کے آگے سر جھکائے،

اسلام نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ یہ ساری دنیا تمھارے لئے بنائی گئی ہے،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ (حج-۹) — کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمھارے بس میں دیدیا ہے،

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ-۳) — اسی نے تمھارے لئے جو کچھ زمین میں ہے، بنایا،

جانور تمھارے لئے پیدا ہوئے ہیں،

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ (نحل-۱) — اور جانوروں کو پیدا کیا، تمھارے لئے انکے اون میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں،

بارش اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمھارے لئے ہیں،

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْہُ شَرَابٌ وَّمِنْہُ شَجَرٌ فِیْہِ تُسِیْمُوْنَ ۰ یُنْبِتُ لَکُمْ بِہِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ (نحل-۲) — اسی (خدا) نے آسمان سے تمھارے لئے پانی اتارا، اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ سے درخت اُگتے ہیں، جس میں جانور چراتے ہو، وہی (خدا) تمھارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے،

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمھارے لئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ، (نحل-۲) — اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو تمھارے لئے کام میں لگایا اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔

دریا اور اس کی روانی بھی تمہارے لئے ہے،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (نحل - ۲)

اور وہی (خدا) ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اس سے آرایش کے موتی پہننے کو نکالو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو پھاڑتی چلتی ہیں، اور تاکہ تم خدا کی مہربانی کو ڈھونڈھو اور شاید کہ تم اُس کا شکر کرو،

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآنِ پاک میں ہیں، عارفِ شیراز نے اسی مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعہ سے پیغامِ محمدیؐ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے وہ خلافتِ الٰہی سے ممتاز ہے، وہ خلقِ کائنات کا مقصود ہے، اور لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اس کا طغرا ہے، غور کرو کہ اس حقیقت کے فاش ہونے کے بعد انسان کے لئے کائنات کے کسی مظہر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؛ اور اس کے آگے خاک پر پیشانی رکھنا مناسب ہے؛

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، چاہے وہ اوتار بنکر آئے ہوں، یا تختِ جبروت پر قدم رکھکر فرعون و نمرود شہنشاہ بنے ہوں، یا تقدس کا لبادہ اوڑھکر قسیس و راہب کہلائے ہوں، یا پوپ اور عالم و درویش بنکر اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو، یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی، پیغامِ محمدیؐ نے اس کو جڑ سے کاٹ دیا،

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا

اور نہ بنائے ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنا رب

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، (آل عمران-۷) خدا کو چھوڑ کر

یہاں تک کہ نبیوں کو بھی روا نہیں کہ وہ یہ کہیں،

کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (آل عمران) خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ.

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے، اور آنکھوں کے سامنے کی ہستیوں میں انبیاء سب سے بلند ہیں، مگر وہ بھی انسان کا معبود نہیں ہو سکتے،

وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا، (آل عمران-۸) اور وہ (خدا) یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ،

الغرض انسانیت کا درجہ پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس ایک کے سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے، جس سے وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا، اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی لے نہیں سکتا،

وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ، (زخرف-۷) اور وہی آسمان میں خدا ہے، اور وہی زمین میں خدا ہے.

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف-۷) ہاں اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا،

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (انعام-۷) حکومت صرف خدا کی ہے،

لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ (فرقان-۱) اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں

اس پیغام محمدی کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہو گا کہ علاوہ اس کے اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے، یہاں "خدا" کے ساتھ کوئی "قیصر" نہیں ہے جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے، قیصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت

ہے، اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے، جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے،

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ، کہ ایک انسان اس نشۂ خلافت سے سرمست ہوکر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے، ؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے، اور کسی ہستی کی پروا کر سکتا ہے! ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو، اور پیغام محمدیؐ کی اس بلندی پر غور کرو،

۲۔ محمد رسول اللہ صلعم کا دوسرا اصول اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ، اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے بُرے عمل سے فرشتہ یا شیطان، یعنی بیگناہ یا گنہگار بن جاتا ہے، اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے، جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ ملی، چین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آواگون اور تناسخ کے چکر میں مبتلا ہیں، یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں، مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا، اور اس کی پیٹھ پر ٹوا بھاری بوجھ رکھدیا ہے اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بنا کر اس کو مجبور کر دیا، اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی گنہگاری کی دلیل ہے، عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا، بلکہ اور بڑھا دیا ہے۔ عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان

اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے، خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو، اس لیئے انسانوں کی بخشایش کے لیے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گنہگار نہ ہو، تاکہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کے لئے کفارہ ہوجائے،

لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور و ناچار ہو، اور نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو، بلکہ تم فطرۃً پاک وصاف اور بے عیب ہو اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی صفائی اور پاکی کو بحال رکھو یا نجس و ناپاک بنجاؤ،

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تین)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی کہ البتہ ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پہ پیدا کیا، پھر ہم اس کو نیچے سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیئے

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے، کہ انسان بہترین حالت، بہترین اعتدال اور راستی پہ پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہوجاتا ہے،

خدا تعالیٰ فرماتا ہے،

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا، (شمس)

قسم ہے نفس کی، اور اس کے ٹھیک بنائے جانے کی، پھر ہم نے سمجھ دیدی اس کو بدی اور نیکی کی، تو کامیاب ہے وہ جس نے اس نفس کو پاک رکھا، اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو میلا کر دیا،

انسانیت کی فطری پاکی کے لئے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہئے،

سورۂ دہر میں پھر آتا ہے،

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا،

(دہر ع ۱)

ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (انسان) ہم نے اسکو سوجھادی راہ، اب وہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکر ہے،

سورۂ انفطار میں ہے

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ، فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ،

(انفطار ع ۱)

اے انسان کا ہے سے دھوکے میں پڑا تو اپنے بخشش والے رب کے متعلق جس نے تجھ کو پیدا کیا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھکو برابر کیا، جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا،

محمد رسول اللہ صلعم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے، اور گنہگاری انسان کی ایک بیماری ہے، جو باہر سے آتی ہے، قرآن مجید کہتا ہے،

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَالِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ، (روم-۴)

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپکو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت جس پہ اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے،

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے ایک پیغام میں اس آیتِ پاک کا مطلب پورے طور پر واضح کر دیا ہے، بخاری تفسیر سورۂ روم میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا عَلَی الْفِطْرَۃِ، کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور اصل میں صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے۔ یہ کہکر آپ نے پھر اوپر کی آیت پڑھی،

غور کرو اس پیغام محمدی نے بنی نوع انسان کو کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے بدل دیا، اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہورِ محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی، لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا، خدا کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لئے محفوظ تھا، زردشت خاکِ پاک ایران کی، پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا، بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے، یہ پیغام محمدی ہی ہے، جس نے پورب پچھم اُتر دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی، اور یہ بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب

برابر ہے، ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی، اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر) — اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ کہ اس میں گزر چکا ایک ہشیار کرنے والا،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد) — اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ (روم) — اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی قوم کے پاس بھیجے،

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا، ایک عیسائی کے لیے بنی اسرائیل کے یا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں، اور ایسا کرنے سے اس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر خدا کی کسی آواز کے قائل نہیں، ایران کے زردشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ ہی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا خدا کی مخلوق ہے اور خدا کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں، ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا۔ جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی، خدا نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا،

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے، کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر، پہلی آسمانی کتابوں پر، اور گزشتہ ربانی الہاموں پر یقین نہ رکھے، جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں، ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں، وہ کہیں بھی گذرے ہوں، اور ان کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور بلا امتیاز

ماننا ضروری ہے، مسلمان کون ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ (بقرہ ۱)

جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمدؐ تم پر اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا،

پھر سورۂ بقرہ کے بیچ میں فرمایا،

لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ (بقرہ ۲۲)

لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر، اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لایا

اسی سورہ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو،

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ (بقرہ ۴۰)

سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے،

یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہیں، تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ (نساء ۲۰ ع)

اے ایمان لاچکنے والو! ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر، اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری گئی،

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات، انسانی اخوت و برادری، اور تمام سچے مذہبوں، رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی ادب و تعظیم اور ان کی یکساں صداقت

کا سبق محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کس نے دیا ہے، اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عام، ہمدردی اور رواداری کا دائرہ کتنا وسیع ہے، کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی، اور بنی آدم کا کوئی گھرانا خالی نہیں،

۴۔ تمام مذہبوں نے عبد و معبود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے، قدیم بتخانوں میں کاہن اور پوجاری تھے، یہودیوں نے بنی لاوی اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا، عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پہ باندھا جائے گا، اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا۔ ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی، ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں، خدا اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں، ان کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی، مگر اسلام میں پوجاریوں، کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں، یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے، یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے، نکاح پڑھا سکتا ہے،

اپنے سب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے، یہاں انسانوں کو اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ اے لوگو! (بلا واسطہ) مجھے پکارو، میں تم کو جواب دوں گا" کی صدائے عام ہے، ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے، اس کے آگے جھک سکتا ہے، اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے، یہاں عبد اور معبود اور خدا و بندہ کے درمیان کوئی

متوسط اور دخیل نہیں، یہ سب سے بڑی آزادی ہے، جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوئی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی "ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ، پوپ اور برہمن ہے۔"

۵۔ انسانوں کی تعلیم وہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں، ان کے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدتمندی کی افراط وتفریط رہی ہے، افراط یہ تھی، کہ ناوانوں نے ان کو خود خدا یا خدا کا مثل، یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھہرایا بابل، اسیریا اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان مثیل خدا نظر آتی ہے، ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا، دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشین گوئی کر سکتا تھا، نبی اور پیغمبر تھا، ایک نبی کی نبوت کے لئے اتنا ہی کافی تھا، کہ وہ پیشین گوئی کرتا ہے، خواہ وہ گنہگار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا اسی لئے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں۔

"اسلام نے اس منصب عظیم کی حیثیت مقرر کی، اور بتایا کہ انبیاء، نہ خدا ہیں، نہ خدا کے مثیل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں وہ آدمی ہیں، اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں، اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں تمام انبیاء بشر تھے، اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں، کفار تعجب سے کہتے تھے اَبَشَرًا رَّسُوْلًا "کیا بشر رسول؟"

اسلام نے کہا، ہاں!

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا، کہدے اے پیغمبر میں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں، میں نہیں ہوں لیکن بشر رسول

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاؑ کے اختیار میں نہیں۔ اُن کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا کے اذن و اشارہ سے،

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے، کہ وہ گو انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، اُن پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں، تاکہ گنہگاروں کے لئے نمونہ بنیں، ان کے ہاتھوں سے خدا اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے، وہ خدا کے خاص، سچے، اور مطیع بندے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدیؐ نے انبیاؑ اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے، اور اُس مذہب کے مناسب ہے، جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں،

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

انشاء اللہ آیندہ مزید معروضات پیش کروں گا، رات زیادہ گئی ہے، اس لئے اب آج کی مجلس اس دائمی، کامل اور عالمگیر معلّم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے،

——————

پیغام محمدیؐ
عمل

دوستو! آج میری اور آپ کی یک ماہہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کردوں مگر

(صد سال می تواں سخن از زلفِ یار بست)

مسئلہ **توحید** کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام لے کر اس دنیا میں آئے تھے، تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا، اور تیسرے افعال کی نیرنگی سے دھوکا کھانا، پیغام محمدیؐ نے ان گرہوں کو کھولا، ان غلط فہمیوں کو دور کیا، اور ان حقیقتوں کو واضح کیا، سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل کو لیجئے،

(۱) خدا کو، خدا کی صفتوں کو، اور خدا و بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے

خیالی یا مادّی تشبیہیں، اور تمثیلیں، دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خدا تو جاتا رہا، اور اس کی جگہ یہ تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، انہی تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی، اور بت پرستی شروع ہو گئی، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ جو لطف و کرم، اور محبت اور پیار ہے اس کو بھی تشبیہہ و تمثیل کے رنگ میں ادا کر کے مجسم کر دیا گیا، آرین قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیوی ہے، اس لیے خدا اور بندہ کے تعلق کو، ماں اور بیٹے کے لفظ سے ادا کیا گیا اور اس لیے خدا ماتا کی شکل میں آگیا، بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیفانہ محبت کو زن وشو اور میاں بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقیروں نے ساڑی اور چوڑی پہن کر اسی حقیقت کو نمایاں کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے، سامی قوموں میں عورت کا برملا ذکر تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے خاندان کی اصل بنیاد باپ قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل و اسیر یا شام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے، بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتائے گئے ہیں، بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پائی ہے، بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن وشو کا تخیل بھی خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرض کئے جاتے ہیں، اور خدا شوہر بنتا ہے، عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تمثیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی، عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا خدا باپ تصور کیا جاتا تھا اور فرشتے اس کی بیٹیاں، پیغام محمدیؐ نے ان تمام تشبیہی اور تمثیلی صورتوں، طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا، اس نے صاف اعلان کیا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ "اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں" اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو ہلا دیا، پھر ایک

نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعہ سے انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (اخلاص)

کہدے (اے پیغمبر) اللہ ایک ہے، اللہ (خود ہر چیز سے) بے نیاز ہے (اور تمام چیزیں اس کی نیازمند ہیں)، نہ وہ جنتا ہے (جو اس کے اولاد ہو) اور نہ وہ جنا جاتا ہے (جو کسی کی اولاد ہو کر پھر خدا ہو) اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے (جو زن و شو کا رشتہ قائم ہو سکے)۔

اس ایک سورہ میں جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نکھری ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے، جس کی بنا پر دینِ محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مغالطوں سے پاک ہو گیا ہے۔

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغامِ محمدیؐ نے خدا اور بندہ کے درمیان محبت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، نہیں اس نے ان تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے میں جو جسمانی تعبیریں مختلف انسانی شکلوں میں تھیں صرف ان کو توڑ دیا ہے، اس لئے کہ اوّل تو یہ انسانی طریقۂ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اس کی نگاہ میں عبد و معبود کے درمیان جو تعلق ہے اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے، ماں، بیٹیاں یا زن و شو کا تعلق محض ہیچ اور بالکل کم درجہ ہے، دوسرے یہ کہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی لئے اسلام نے یہ کہا اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا، تم اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر (یاد کرو)" دیکھو کہ اس آیت میں محبتِ الٰہی کو ادا

کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ "خدا تمہارا باپ" یعنی خدا اور باپ کے رشتہ کو مشبہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا، بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور مشبہ بہ قرار دیا، اس سے ظاہر ہوا کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو گو چھوڑ دیا، لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کہا، بلکہ "باپ سے بہت زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیئے" اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا، اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ کی محبت کو وہ خدا اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور ہیچ سمجھتا ہے، اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ "ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں" اسلام خدا کو ابوالعالمین دنیا کا باپ نہیں کہتا بلکہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ دنیا کا پالن ہار کہتا ہے، کیونکہ اس کی نگاہ میں اب سے رب کا رتبہ بہت بلند ہے، باپ کا تعلق بیٹے سے آنی اور عارضی ہے، مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اولین لمحہ سے لیکر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے، اسلام کا خدا وَدُوْدٌ ہے یعنی محبت والا رَءُوْفٌ ہے یعنی ایسی رافت اور محبت والا، جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے حَنَّانٌ ہے، یعنی ایسی محبت والا، جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے۔ مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

(۲) حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدۂ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب صفات کا مسئلہ ہے، یعنی صفات کو ذاتِ الٰہی سے الگ، مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا، ہندوؤں کے عام مذہب میں جو خداؤں کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ ہے، کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور اس طرح ایک خدا کے ۳۳ کروڑ خدا بن گئے، تعداد کو چھوڑ کر صفات کی تشبیہہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کرکے پیش کی، خدا کی

صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا تو انہوں نے اسے واقعی ہاتھ کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اور اس کی جسمانی تمثیل میں کئی کئی ہاتھ ہاتھ بنا دیئے، خدا کی حکمتِ بالغہ کو سمجھانا تھا، تو ایک سر کے بجائے دو سر کی مورت کھڑی کر دی۔

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفات کے تجسم اور مستقل وجود کے تخیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا کی تین بڑی صفتیں ہیں، خالقیت، قیومیت اور ممیتیت یعنی پیدا کرنے والا قائم رکھنے والا، اور فنا کر دینے والا، ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، اور برہما، وشنو اور شیو یعنی خالق، قیوم اور ممیت، تین مستقل ہستیاں بن گئیں اور برہمن، وشنو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہوگئے اور تینوں کے پوجنے والے الگ ہوگئے۔ لنگایت فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہرا کر مرد و عورت کے آلاتِ تولید کو اس خالق کا مظہر مان لیا، اور اُن کی تصویر پوجنی شروع کر دی،

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں، یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے اور ارادہ بیٹا ہے۔ اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا اور صفات کی نیرنگی سے دھوکا کھا کر، ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا قرآن نے کہا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب خوبیاں اسی ایک پروردگارِ عالم کے لئے ہیں وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی سب اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ ہی آسمان و زمین کا نور ہے، عرب میں اسی ہستی کو صفت رحم سے متصف کر کے عیسائی اس کو رحمان کہتے تھے۔ عام مشرکینِ عرب اس کو اللہ کہتے

تھے، قرآن نے کہا قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یعنی اس کو اللہ کہہ کر پکارو، یا رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں، فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (شوریٰ) پس خدا وہی پیارا ہے، یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ، بے شبہ بے شک وہی خدا غفور اور رحیم ہے، بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے ھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (دخان) وہی آسمان میں خدا ہے، اور وہی زمین میں خدا ہے، اور وہی حکیم و علیم، حکمت والا اور جاننے والا ہے" اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (دخان) "وہی سننے والا علم والا ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے، سب کا رب ہے، اگر تم کو یقین آئے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا ہے، اور وہی مارتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے" یعنی وہی برہما ہے، وہی شیو ہے، وہی وشنو ہے، تینوں ایک ہی کی صفتیں ہیں، صفات کے تعدد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ، (جاثیہ ع ۴)

خدا ہی کے لئے سب خوبی ہے، جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا، رب ہے سارے جہان کا اور اسی کو ہے سب بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی زبردست

(اور) حکمت والا ہے،

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى، یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ،
(حشر۔ ع۳)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، چھپے اور کھلے کا جاننے والا، وہی ہے مہربان رحم والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہ بادشاہ، پاک، صلح و امن، امن دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا ہے، بڑائی والا، پاک ہے اللہ۔ ان باتوں سے جن کو یہ مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہی خدا ہے جو خالق ہے، جو عدم سے لانے والا ہے۔ جو صورتگری کرنے والا ہے، اسی کے لئے ہیں سب اچھے نام (یا سب اچھی صفتیں) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں (مخلوقات) ہے، سب اس کی تسبیح پڑھتی ہیں، وہی غالب (اور) دانا ہے،

ان صفتوں والے خدا کو ہم نے صرف پیغام محمدیؐ ہی کے ذریعہ سے جانا ہے، ورنہ دوسروں نے ذات سے صفات کو الگ کرکے ایک خدا کے چند ٹکڑے کر ڈالے تھے، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ سے مراد وہی شرک ہے جو صفات

کو ذات سے الگ کرکے لوگوں نے اختیار کیا تھا۔ اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے، وہی خالق ہے، وہی باری ہے، وہی مصور ہے، وہی ملک ہے، وہی قدوس ہے، وہی مومن ہے، وہی عزیز و جبار ہے۔ اور وہی رحمان و رحیم ہے، ایک ہی ذات کی سب صفتیں ہیں، اور وہ ایک ہے

(۳) شرک کا تیسرا سرچشمہ، افعالِ الٰہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی، مختلف ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے، کوئی جلاتی ہے، کوئی لڑائی لڑواتی ہے، کوئی صلح کراتی ہے، کسی کا کام محبت ہے، کسی کا کام عداوت ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے۔ کوئی دولت کی دیبی ہے، غرض ہر کام کے لئے الگ الگ سیکڑوں خدا ہیں، اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ سب ایک ہی خدا کے کام ہیں۔

تمام افعال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بری، اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے۔ زردشتیوں نے خیر، اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے الگ خدا، شر اور برے کاموں اور بری چیزوں کے لئے الگ خدا ٹھہرایا، پہلے کا نام یزدان اور دوسرے کا نام اہرمن رکھا، اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمن کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا، یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے، دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، وہ خیر اور شر انسانوں کے صحیح استعمال یا غلط استعمال سے بنجاتی ہے، فرض کرلو آگ ہے، اگر اس سے کھانا پکاؤ، انجن چلاؤ یا غریب کو تاپنے کو دو تو یہ خیر ہے، اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلادو تو یہ شر ہے، آگ اپنی اصل کے

لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، تم اپنے استعمال سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار نہ خود خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا استعمال کرو، ویسی ہی ہے، تاریکی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چوری کا ذریعہ بناؤ تو شر اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ، یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

خدا نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادہ کو خلق کیا، اشیاء میں خاصیتیں رکھیں، اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، اس کو دل و دماغ بخشا، عقل و حکمت دی، اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کاری اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ پڑھ کر حضرت ابراہیم کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے، اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "میں نے اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہر داریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے، اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علۃ العلل سمجھنے لگتی ہے، اور یہ کہہ کر اٹھتی ہے، وَمَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ) اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں، ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا"، کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں، البتہ دماغ ہزاروں ہیں، ان کو دیکھ کر ایک دماغ

خدا پرست ہو جاتا ہے، اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی چیز ہے، جو ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی دونوں ہے، یا یوں کہو کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہ ہدایت کرنے والی ہے، نہ گمراہ کرنے والی، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو، یا گمراہ ہو جاتے ہو، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے اور مضل بھی جس طرح خدا کے اس کام (مادہ) کے دونوں نتیجے ہیں اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں، اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے اور تسلی پاتا ہے، اور دوسرے کے دل میں شبہے پیدا ہوتے ہیں خطرات آتے ہیں اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے، پیغام ایک ہے، البتہ دل دو ہیں، اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں۔ دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کی دلیل نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک ہی قدرت کے تماشے ہیں، خیر و شر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں ادھر ہی سے ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا، وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ، (بقرہ-۳)	اپنے اس کلام کے ذریعہ وہ (خدا) بہتوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا، (یا گمراہ کرتا ہے۔ اور بہتوں کو راہِ راست دکھاتا ہے، انہی کو راہ راست نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھ کر توڑتے ہیں، جو اس کو کاٹتے ہیں، جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی ہیں گھاٹا

اٹھانے والے،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ ۳۶) خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیتا،

ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علۃ العلل وہی ہے، مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تم نے فسق کیا، قطع رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے اور فسق وفجور بعد کو نہیں آیا،

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اور بتادیا کہ یہ راستہ منزل مقصود کو جاتا ہے اور یہ عمیق غار میں ان کو لے جا کے گرا دیتا ہے، فرمایا،

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا، (دھر) ہم نے راستہ اس کو دکھا دیا، (تو) وہ (پھر) یا شکر گذار بن جاتا ہے، یا کافر بن جاتا ہے،

تمام دنیا کی اچھی بری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے، ارشاد ہوا،

اَللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، (مومن) اللہ تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں،

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ، (صافات-۳) اور خدا نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو اس کو پیدا کیا،

لیکن:-

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰه ۲) اس نے ہر چیز کو اس کی صورت بخشی، پھر ہدایت دے دی،

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بنا لیتے ہو، اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی، صحیح مصرف میں استعمال کیا تو خیر، اور غلط استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے ہدایت ہے نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر، اس لئے خیر و شر کو دو چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، جو ان دونوں کا خالق ہے،

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ (فاطر ع - ۱)

کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے وہی تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کدھر الٹے جاتے ہو،

خدا نے اپنا پیغام تمہارے سپرد کر دیا، اب تم اس کو مانو یا نہ مانو،

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ، (فاطر ع - ۴)

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تو ان میں کوئی اپنی جان کا برا کرتا ہے اور کوئی خدا کے حکم سے خوبیاں لے کر آگے بڑھ جاتا ہے،

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (شوریٰ ع - ۴)

اور جو پڑے تم پر مصیبت، سو اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ معاف کرتا ہے بہت سی باتوں کو،

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ

ہر نفس میں خدا نے اس کی گنہگاری اور نیکوکاری الہام کر دی ہے تو

من دسّٰها ، جس نے اس (نفس) کو پاک کیا، اس
(شمس) نے نجات پائی، اور جس نے اس کو
مٹی میں ملایا وہ ناکام ہوا،

۴۔ خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے، لیکن قدیم مذاہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائے گی، اسی قدر روحانی ترقی ہو گی، اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکی بڑھے گی، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا اور ان کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا، کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمل اوڑھے رہتا تھا۔ کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا۔ کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا۔ کوئی عمر بھر کے لئے غار میں بیٹھ جاتا تھا۔ کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا۔ کوئی عہد کر لیتا تھا کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گذارے گا، کوئی عمر بھر تجرد میں گذار دیتا تھا، اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی حبس دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں الٹا لٹک جاتا تھا، یہ تھا اسلام سے پہلے خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدی نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی۔ اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے خدا کو جسم کی تشکل نہیں، بلکہ دل کا دو نگ مرغوب ہے طاقت سے زیادہ تکلیف

اس کی شریعت میں نہیں۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا — خدا کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا،

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا،

وَرَھْبَانِیَّۃً اِبْتَدَعُوْھَا، مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْہِمْ، (حدید۔۴) — اور رہبانیت جس کو انہوں (عیسائیوں) نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے اُن پر اس کو فرض نہیں کیا تھا۔

اور آنحضرت صلعم نے اعلان کیا،

لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ (ابوداؤد) — اسلام میں رہبانیت نہیں؛

جن لوگوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائز لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، ان سے قرآن نے یہ سوال کیا،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (اعراف۔۴) — کہو کس نے اللہ کی آرایش جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا، حرام کی،

یہاں تک کہ خود پیغمبرِ اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد حرام کر لیا، تو تنبیہ ہوئی،

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ، (تحریم۔) — اے پیغمبر! خدا نے جس کو تیرے لئے حلال کیا ہے، اس کو حرام کیوں کرتا ہے

پیغامِ محمدیؐ نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود فقط ایک ہے اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ — جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (مومن - ۶) — عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے،

یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ ہو، یہی چیز عبادت کے مختلف ارکان کو بجا لاکر انسان ظاہر کرتا ہے، کہ وہ خدا سے سرکش نہیں، بلکہ اس کا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے،

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؛ فقط حصولِ تقویٰ،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ، (بقرہ ع ۳) — اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو،

نماز سے فائدہ یہ ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، (عنکبوت ع ۵) — یقیناً نماز کھلی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے،

روزوں سے مقصود یہ ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ع ۲۳) — اے مسلمانو! تم پر اسی طرح روزہ فرض کیا گیا، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو،

حج سے مطلب یہ ہے،

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ (حج - ۴) — تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ پہنچیں اور تاکہ چند معلوم دنوں میں جو جانورں کی روزی اللہ نے ان کو دی ہے، اس پر اللہ کو یاد کریں،

زکوٰۃ سے مقصود اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے،

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی، اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی (اللیل)	جو دیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی کرنے کو اور نہ اس لئے کہ کسی کا کوئی احسان اس کے ذمہ ہے جس کا بدلہ چکانا ہے صرف خدا برتر کی طلب رضا مقصود ہے،

نکاح کرنا، اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنت ہے آپ نے فرمایا

النکاح من سنتی ومن رغب عن سنتی فلیس منی	نکاح میرا طریقہ ہے، اور جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

قرآن مجید نے اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا، اور مسلمانوں کو اس خواہش کا متمنی قرار دیا،

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ، (الفرقان ع ۶)	اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خداوندا ہم کو ہماری بیبیوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر،

منجملہ دوسری باتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی، لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کردیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے، دیوتاؤں کو خون کے چھینٹے دیئے جاتے تھے، جو جانور قربانی کئے جاتے تھے اُن کا گوشت جلایا جاتا تھا، کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا، یہود بھی اسی لئے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے، آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی قطعاً موقوف کردی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو اُن کے خون کے چھینٹے دینے کا حکم دیا، اور نہ گوشت کے جلانے کا، اس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی،

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ،

(حج - ۵)

اور حج کی قربانیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نام کی نشانی بنائی، تمہارے لئے ان قربانیوں میں بھلائی ہے، تو اُن پر اللہ کا نام پڑھو قطارہ باندھ کر اور جب وہ ذبح ہو تو ان میں سے کچھ تم خود کھاؤ، اور باقی صابر اور بے قرار غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے بس میں دے دیئے ہیں تاکہ تم ہمارا شکر ادا کرو، ہرگز اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقوٰی اس کو پہنچتا ہے، اسی طرح ان کو تمہارے بس میں دے دیا تاکہ اس بات پر کہ خدا نے تم کو راہ سوجھائی، اس کی بڑائی کرو، اور نیکی والوں کو (اے پیغمبر) بشارت سنادے،

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان پہ آپ قابو ہے، اور وہ اس کی ملکیت ہے، اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے، اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دختر کشی، اولاد کو بھینٹ چڑھا دینا، یا ان کو مار ڈالنا، اور شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کا ستی ہو جانا، سیکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیئے تھے، پیغامِ

محمدی نے ان سب کی بیخ کنی کر دی، اس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں، صرف خدا کی ملکیت ہیں اور ان کا قتل صرف خدا کے حق کی بنا پر ہو سکتا ہے، اسی لئے غیر خدا کے نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے، خودکشی کرنے والوں پر اپنی جنت بھی اس نے حرام کر دی، اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی سمجھی جاتی ہے، قانون اس کو روکنا چاہتا ہے، اور نہیں روک سکتا، کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے، اور اس کو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ یقین کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں، اور اگر ہے بھی تو خدا ہم سے ہمارے اس فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا، مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں، بلکہ خدا کی ملکیت ہے، اور اس لئے خودکشی کے ذریعہ سے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح سے اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ پُر مصیبت زندگی شروع ہو جائے گی،

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا

(نساء ع ۵)

اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر اور اپنے آپ کو نہ مارو، بے شک خدا تم پر مہربان ہے (اور اس لئے مہربانی کے سبب سے تم کو یہ حکم دیتا ہے)، اور جو خدا کے حکم سے آگے بڑھ کر اور اپنے آپ پر ظلم کرکے ایسا کرے گا، تو ہم اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے،

دختر کشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی دنیا کے

اور ملکوں میں جاری تھی، عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، پیغامِ محمدیؐ کے ایک فقرہ نے اس رسمِ باطل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (تکویر)

اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی،

اپنی اولاد کو قتل کرنا عرب میں جرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم میں کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیئے جاتے ہیں کہ اُن کی پرورش کا پاس سامان نہیں، کہا جاتا ہے کہ ملک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم شماری کو بڑھنے سے روکنا چاہیئے، عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچہ کے پیٹ سے گرا دینے یا ایسے بچہ کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی، یونان میں نومولود بچوں کا معائنہ کیا جاتا تھا اور اُن میں سے کمزور بچوں کے جینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے، اور آج بھی ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کے نام سے یہی کچھ کیا جا رہا ہے۔

اسلام نے یہ اصول بتایا کہ "روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا،" وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا کوئی چلنے والا نہیں، لیکن اُس کی روزی خدا پر ہے، اس لئے اس نے کہا

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (بنی اسرائیل)

اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بیشک ان کا مارنا بڑی غلطی ہے،

دنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے جواب بھی دنیا کے اُس حصہ میں قائم ہیں

جہاں محمد صلعم کا پیغام قبول نہیں کیا گیا۔ ایک یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ روپ، صورت و شکل کی دیواریں قائم کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتدا سے آج تک اپنے سوا سب کو ملچھ، اور ناپاک قرار دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی، شودروں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں، رومیوں نے اپنے کو آقائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا، بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا اور سب کو جینٹل (چنڈال)، قرار دیا، اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیرونی مدارج قائم کر دیئے، خود یورپ کا اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعویٰ کے باوجود کیا حال ہے سپید آدمی تہذیب و تمدن کا ٹھیکہ دار اور اس بارگراں کا امین قرار دیا گیا ہے، کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں ایشیائی قومیں ان کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں، بعض ملکوں میں ان کے محلوں (کوآٹرس) میں رہ بھی نہیں سکتیں اور ان کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے اور جنوبی و مشرقی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائی کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی، حقوق دنیاوی سے گذر کر یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں، کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، پیغام محمدی نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا، اس کے نزدیک حسب نہ نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی چیز امتیاز نہیں پیدا کر سکتی، وہ قریش جن کو اپنے حسب و نسب پر غرور و ناز تھا، فتح مکہ کے دن کعبہ کے حرم

میں کھڑے ہوکر ان کو آپ نے یہ بتایا،

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیہ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب،

اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹادیا، تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی سے بنے ہیں،

(ابن ھشام)

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا،

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی، کلکم ابناء ادم وادم من تراب،

(مسند احمد)

عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے،

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے،

ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیہ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی، الناس کلھم بنو ادم وادم خلق من ترب (ترمذی وابوداؤد)

خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹادیا، انسان اب یا متقی ایماندار ہے اور یا گنہگار بدبخت ہے، تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے

وحی محمدی نے تمام انسانوں کو مخاطب کرکے بتایا

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اس

أَتْقٰكُمْ ،
(حجرات ع-۲)

لئے بنا دیا ہے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہو،

دوسری جگہ ارشاد فرمایا،

وَمَآ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰٓ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا
(سبا ع ۱۵)

نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے پاس نزدیک کردے لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس نے اچھا کام کیا ان کو اپنے کام کا دوتا بدلہ ملے گا،

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا، کہ المسلم اخو المسلم "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے" اس برابری اور برادری نے کالے گورے، عجمی، عربی ترکی، تاتاری، زنگی، اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا، اور خدا نے ان پر اپنا یہ احسان جتایا کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا "خدا کے فضل سے تم سب کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے" یہ خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب و نسب کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں، خدا کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر، قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی، رشتہ ناتا ہر ایک کا ہو سکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں۔ یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے، النفس بالنفس "جان کے بدلے جان"

تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغام محمدیؐ کے احسانات کو ایک ایک کرکے گنادوں، مگر افسوس کہ بقدرِ حوصلہ فرصت نہیں، اور اس بحرِ ناپیدا کنار کی تھاہ بھی نہیں، عورتوں کو جو حقوق پیغام محمدیؐ نے دیئے ہیں، اور غلاموں کو جس حد تک اس نے عزت دی ہے جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ باایںہمہ دعوائے بلندی، ہنوز اسلام کے اوجِ خیال سے نیچے ہے مگر افسوس کہ وقت نہیں۔

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق ہے، دین کا کام الگ کیا گیا، اور دنیا کا کام الگ، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا، اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بنایا گیا اور دین کے حصول کا الگ، نونہالانِ اسلام! یہ سب سے بڑی غلطی تھی، جو دنیا میں پھیلی تھی اس غلطی کا پردہ پیغام محمدیؐ کی نور افگن شعاعوں نے چاک کردیا، اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے، یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیاداری ہی دینداری ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی و عزلت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد، فکرِ معاش اور پرورش اولاد دنیاداری ہے، اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خدا کے مطابق ان حقوق اور فرائض کے بخوبی ادا کرنا بھی دینداری ہی ہے۔

اسلام میں نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے، ایمان اور عمل صالح، ایمان پانچ چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے، خدا پر، نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک خدا کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، ان کتابوں پر جن میں خدا کے یہ

پیغام ہیں، اس پیغام الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں یا عمل نہ کرنے والوں کی جزاء و سزا پر، انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے، اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے، کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا دوسری چیز عمل ہے، یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں، عمل کے جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، تین حصے ہیں، ایک عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ خدا کی بڑائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے، دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاروبار اور نظم ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے، اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے، اور سوم اخلاق یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گو قانونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں انہی چار چیزوں، یعنی، ایمان، عبادات، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے،

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جد و جہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے وہ موت نہیں حیات ہے؛ اس کا فرمان یہ ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى، (نجم - ۳)

انسان کے لئے وہی ہے، جو وہ کوشش کرے،

اور

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مدثر - ۱)

ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گرو ہے۔

اسلام سرتاپا اور مجاہدہ ہے، لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں، بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ خلفائے راشدینؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، عام صحابہؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، وہی تمہارے لئے نمونہ ہے، اور اسی میں تمہاری نجات ہے اور وہی تمہارا ذریعۂ فلاح ہے، اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے محمد صلعم کا پیغام بودھ کے پیغام کی طرح ترکِ خواہش نہیں ہے، بلکہ تصحیحِ خواہش ہے۔ محمد صلعم کا پیغام حضرت مسیحؑ کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں، بلکہ اُن کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی، اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعیین ہے۔

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عملِ صالح یہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے، ترکِ عمل نہیں، ادائے واجبات ہے، عدمِ واجبات نہیں، ادائے فرض ہے ترکِ فرض نہیں، اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور اُن کے یارانِ باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی، جن کا نقشہ یہ ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، (فتح - ۴)	محمدؐ خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری، آپس میں رحمدل ہیں، ان کو دیکھو گے، کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ الفت کے جذبات

بھی ہیں، خدا کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں، اور پھر دنیا میں خدا کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں "خدا کی مہربانی" (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور-۵)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی،

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں، اور خدا کی یاد بھی قائم ہے وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے، صحابہؓ فوج کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے، وہ یہاں آکر اور مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں، تو سرتا پا اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں، وہ جاکر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں۔ هم بالليل رهبان وبالنهار فرسان "وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار،" یہی اسلام کی اصلی زندگی ہے۔

حضرات! آج سلسلۂ تقریر کا آخری دن تھا، میرا خیال تھا کہ میں آٹھ تقریروں میں سیرتِ محمدیؐ اور پیغامِ محمدیؐ کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا، مگر آٹھ تقریروں کے بعد بھی "موضوع تفصیل کا تشنہ ہے" سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں دراوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ